ہماری ویب ڈیجیٹل بک

حیا غزل

HAYA GHAZAL

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

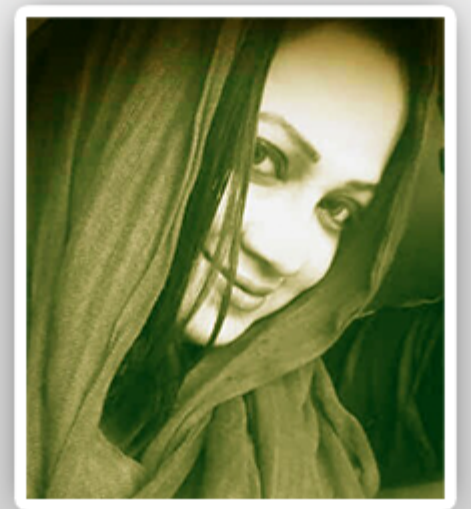

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Haya Ghazal"
at Hamariweb.com

افسانہ " زہر کا پیالہ "

آج طبیعت بہت بوجھل سی ہو رہی تھی. اذان کو اسکول بھیجتے وقت پتہ نہیں کیوں بس دل کر رہا تھا آج روک لوں پر کیا کرتی امتحانات بھی تو ہو رہے ہیں. موبائل پر وہ اپنی دوست سے بات کرتے ہوئے بولی اچھا کل بات ہوگی اب اذان کے آنے کا وقت ہو رہا ہے. فون بند کرکے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئی پر یہ کیا کہیں سے قطرہ قطرہ پانی گرنے کی آواز آرہی تھی. ہر جگہ سے اطمینان کرنے کے باوجود وہ آواز آنی بند نہ ہوئی. آخر کار ذہن کو جھٹک کر وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی. ابھی تھوڑا وقت باقی تھا شاہان کے آنے میں وہ اسکول گئے تھے بیٹے کو لینے. اسلیئے شہزین ٹی وی آن کرکے ریموٹ سے چینل بدل بدل کے دیکھنے لگی. ٹی وی پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی. ان کے پاس کوئی اور کام نہیں ہوتا اور آئے دن ایسی خبریں آتی رہتی ہیں. جگہ جگہ لوگ مر رہے ہیں کبھی بلدیہ فیکٹری میں جل کر تو کبھی واھگہ باڈر پر خودکش دھماکہ اور ایسے نہ جانے کتنے واقعات. لوگ کہتے ہیں یا الٰہی ! عذاب کیوں نہیں آتا پر میں کہتی ہوں یہ اسکا عذاب ہی تو ہے پر ہم نہیں سمجھتے. یونہی سوچتے ہوئے اس نے سر جھٹکا. قطرے ٹپکنے کی آواز ابھی بھی آرہی تھی وہ ٹی وی بند ہی کرنے والی تھی کہ یہ کیا پشاور میں اسکول پر دہشت گردوں کا حملہ۔

اسکا دل زور سے دھڑکنے لگا شاہان بھی تو اسکول ہی گئے ہیں اور اذان . اسکے آگے ٹی وی اسکرین دھندلانے لگی وہ ٹھیک سے دیکھ بھی نہیں پائی اسکول اور جگہ کونسی ہے . بے چین ہو کر اٹھی اور شوہر کو نمبر ملانے لگی .

شاہان یہ سب کیا ہے آپکو دیر کیوں لگ رہی ہے پلیز جلدی سے آجائیں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے آپ نے دیکھا حالات پھر خراب ہوگئے ہیں . آپ کہیں تو میں چلی جاؤں اذان کو اسکول سے لینے . پر دوسری طرف سے شوہر نے اطمینان دلایا میں آرہا ہوں اذان میرے ساتھ ہی ہے .

اچھا ٹھیک ہے پر جلدی میں انتظار کر رہی ہوں . کہہ کر فون بند کر دیا .

پتہ نہیں کیوں پھر بھی ایسا لگ رہا ہے کہ کچھ ہے جو نظروں سے اوجھل ہے پر دل محسوس کر رہا ہے . وہ بے چین ہو کر بار بار دروازے کی طرف جاتی اور پلٹ آتی . پانی کے قطروں کی آواز تیز اور تیز ہوتی جا رہی تھی . ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ . پر اسکا دھیان کسی اور ہی طرف تھا . ماحول ایک دم سوگوار سا ہو گیا تھا -

عجیب سا سناٹا ہر طرف پھیل رہا تھا اور اس پر یہ پراسرار سی آواز . . . . ٹپ ٹپ

.....ٹپ ٹپ ٹپ

ٹی وی کا شور. اناؤنسر چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی اسقدر ظلم اور بربریت. آپریشن جاری ہے لوگ احتجاجا سڑکوں پر نکل آئے ہیں ہر آنکھ اشک بار ہے. وہ پھر اٹھی دروازے کی اوٹ سے جھانکنے لگی باہر سب معمول کے مطابق رواں دواں تھا. پر مجھے کیوں اتنی بے چینی ہو رہی ہے. اب تو شاہان فون بھی نہیں اٹھا رہے شاید راستے مین ہوں گے. اس نے خود کو اطمینان دلایا. باہر ایک ایمبولینس رکنے کی آواز آئی. ایمبولینس کیوں انکی گاڑی کی آواز کیوں نہیں .....ٹپ ٹپ ٹپ زہر کا پیالہ بھر رہا تھا. بس تھوڑا اور.....

یک لخت دروازہ کھلا. سامنے ایک باپ کھڑا تھا لاچار، خاموش ساکت .....اران کہاں ہے؟

آپ کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں؟

خاموشی میں قطروں کی آواز اور تیز ہو گئی. دیکھو میری بات صبر و تحمل سے سننا .ہمارا بیٹا ہمارا فخر ہے. وہ بہت چھوٹی عمر میں شہادت کے درجے پر فائز ہو گیا ہے .شہزین کے قدم پیچھے لوٹ رہے تھے

.زہر کا پیالہ بھر چکا تھا. بس چھلکنے ہی والا تھا

نہیں نہیں ایسا نہیں آپ مزاق ... کیسا بھدا مزاق ہے اسکول .....ازان .....بے ربط جملے اسکی زبان سے پھسل رہے تھے.

..... سچ ہے خدارا سنبھالو خود کو اذان نہیں ہے اب دنیا میں

شاہان نے بیوی کو سنبھالنے کی کوشش کی. پر یہ کیا وہ تو اسکے ہاتھوں میں جھول گئ.

.زہر کا پیالہ چھلک گیا

جو آنکھیں انتظار کی آس میں کھلی رہ گئ تھیں. انکو شاہان نے روتے ہوئے ہمیشہ کے لیئے بند کر دیا اب وہ سوچ رہا تھا .....

کہ پہلے کس کے لاشے کو دفنائے. شریک حیات کے یا پھر ایمبولینس میں لیٹے ننھے اذان کے .....

عقیق - پہلی قسط

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم کافی خوشحال ہوا کرتے تھے. ہمارا شہر گو کہ چھوٹا تھا پھر بھی متمول خاندانوں میں ہمارا شمار ہوتا تھا. بابا کو قیمتی پتھر جمع کرنے کا شوق تھا خاص طور پر نیلاہٹ پر مائل زمرد اور سرخ عقیق. جنھیں وہ بہت حفاظت سے اپنی پرانے طرز کی بنی ہوئی اندرونی دیوار والی الماری میں رکھتے تھے اس دن بھی وہ اپنے کام میں مشغول تھے. کہ ان سے کوئی ملنے آیا. امی جان نے ہمیں بابا کو اطلاع کرنے کو کہا.. ہم بابا کے اس خاص کمرے میں پہلی دفعہ ہاں شاید پہلی دفعہ ہی داخل ہوئے.

بابا! آپ سے عتیق بھائی ملنے آئے ہیں.

ٹھیک ہے آپ انھیں یہاں ہی لے آئیں. بابا کے یہ کہتے ہی ہم عتیق بھائی کو لئے کمرے میں آ گئے. اور بیٹا عتیق آپ آج یہاں کیسے؟؟؟؟

بابا نے کہا تو سامنے سے جواب آیا میرے پاس آپکے لیئے کچھ عقیق ہیں امید ہے آپ کو پسند آئین گے. یہ کہتے ہی انھوں نے کپڑے کی تھیلی کھول کر میز پر قلیل

.مقدار میں کچھ عقیق الٹ دیئے جنھیں اب بابا کافی دلچسپی لیئے جانچ رہے تھے
عتیق بھائی جوانی کی حدود میں قدم رکھتے ہوئے ایک ہونہار میڈیکل اسٹوڈنٹ تھے. بہت کم عمر میں ہی باپ کا سایہ سر پر سے اٹھنے کے باعث گھر کی ساری ذمہ داری انکے کندھوں پر آپڑی تھی. جسکے باعث انھیں اپنی تعلیم جاری رکھنا بھی مشکل ہو رہا تھا. وہ اکثر بابا کے لیئے کچھ نہ کچھ لاتے تھے. بابا کی طرح انھیں بھی قیمتی پتھروں کا شوق تھا.
پتھر بلکل اصلی ہیں. بابا کی آواز ہمیں پھر سے خیالوں سے واپس لے آئی. لال لال عقیق ہمیں کبھی انگاروں کی طرح دکھتے تو کبھی ان میں سرخ خون نظر آتا. پتہ نہیں کیوں پر عقیق کی یہ سرخی اب ہمیں عتیق بھائی کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی. خون آلود چہرہ ہم اچانک ہی خوف زدہ ہو کر بابا کی ٹانگوں سے لپٹ گئے. ہم آج بھی اپنی اس کیفیت کو الفاظ دینے سے قاصر ہیں. شاید معصوم بچوں میں وجدان کی کیفیت بھی ہوتی ہے.. جیسے جیسے کچھ بہت برا ہونے والا ہو. کھلاڑی تیزی سے گیند کی طرف جھپٹا پر یہ کیا گیند اس کی گرفت سے نکل گئی. شاید ایک منٹ کے بھی ہزارویں سیکنڈ میں .....کیسے ؟؟؟ ارے ایسے کیسے ؟؟؟؟ اتنا پرانا کھلاڑی ناکام کیسے ہو سکتا ہے. بچ نکلنے والی گیند کھلاڑی کو گویا منہ چڑا رہی تھی. ہمت ہے تو پھر سے کوشش کر. افففففف پھر ایک

وحشت ناک خیال. بابا بابا! ہمیں بہت ڈر لگ رہا ہے. انھیں ہمارے سامنے سے ہٹا
.دیجیے. بابا اور عتیق بھائی ہماری اس حرکت پر ہنسنے لگے

عقیق - دوسری قسط

وقت نے ثابت کردیا کہ میرا خوف بے بنیاد نہیں تھا. بعض اوقات ہماری چھٹی حس ہمیں آنے والے حالات سے بہت پہلے آگاہی دے دیتی
ہے. ٹرن .....ٹرن .....ٹرن تواتر سے بجتی ہوئی فون کی گھنٹی ہمیں حقیقت کی دنیا میں واپس لے آئی.
آج مجھے اپنے خاندانی جیولرز کے پاس بھی جانا تھا. کچھ تحائف لینے تھے میٹل جیولری میں. جیسے تیسے ٹریفک کے رش اور دھوئیں اور شور کا سامنا کرتے ہوئے سنار کی دکان پر جا پہنچے.
عشرت بھائی ! کچھ اچھا کلیکشن دکھایئے میٹل جیولری میں. ہمارے کہنے کے مطابق ہمیں جیولری دکھانے لگے. اتنے میں کچھ اور خواتین دکان میں داخل ہوئیں انھوں نے اسٹون رنگس دکھانے کی فرمائش کی. کچھ ہی دیر میں کاؤنٹر خوبصورت پتھروں سے سجی کئی انگوٹھیوں سے سج گیا.
مگر یہ کیا جیسے ہی عقیق سے سجی انگوٹھی سامنے آئی تو ہماری حالت پھر سے

.غیر ہونے لگی

ایسا لگا کاؤنٹر پر ہر طرف لال لال گاڑھا خون پھیلا ہوا ہے. ہماری طبیعت خراب ہونے .لگی ہم یکٹ دم ہی بنا کچھ کہے شاپ سے باہر آ گئے

سنیے تو ایسے کیوں جا رہی ہیں آپ ..... عشرت بھائی کی آواز جیسے کہیں دور سے .آ رہی ہو. یکٹ دم ہی معدوم ہوتی گئی. ہم واپس گھر نہ جانے کیسے پہنچے

.بستر پر گرتے ہی جیسے آنکھوں کے سامنے پھر سے وہی مناظر فلم کی طرح چلنے لگے

.عتیق بھائی بابا کو عقیق سونپ کر واپس گھر روانہ ہوگئے

جیسے ہی وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے. انھوں نے دیکھا کہ انکی بڑی بہن نزہت اپنی والدہ زبیدہ خاتون پر بلاوجہ برہمی کا اظہار کر رہی تھیں. ان پر نظر پڑتے ہی جیسے وہ اپنے آپے سے باہر ہو گئی. لیجیئے آ گئے آپکے ہونہار سپوت..... آپا خیر تو ہے آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں.... عتیق اپنی بڑی بہن نزہت سے مخاطب ہوئے. (یہاں ایک بات کا تذکرہ کرتے ہوئے چلیں عتیق ایک

خوشحال خاندان سے تعلق رکھتے تھے. انکے والد محسن ایک بڑے میڈیکل اسٹور کے مالک تھے. عتیق کی انکے علاوہ دو بڑی بہنیں اور بھی تھیں نزہت اور نصرت. سب ٹھیک ٹھاک ہی چل رہا تھا. کہ اچانک محسن شدید بیمار پڑ گئے. کاروبار ماند پڑ گیا. جمع شدہ پیسہ علاج معالجہ میں صرف ہونے لگا. لیکن قدرت کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا. تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں یہاں تک کہ محسن صاحب اس جہاں سے دوار فانی کوچ کر گئے. اب سب کچھ عتیق کے کمزور کاندھوں پر آن پڑا تھا. شاید یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی پڑھائی بیچ میں روک دی. اب گھر اور کاروبار کے ساتھ دو بہنوں کی ذمہ داری بھی انکی ہی تھی (.

میں آپ سے پوچھتی ہوں کیا ضرورت ہے کاروبار کو پھیلانے کی. آپ سب کچھ دوکان میں لگا چکے ہیں. ہم پوچھتے ہیں کہ اس گھر میں کسی کو فکر ہے کی نہیں کہ دو جوان لڑکیاں شادی کے لیئے گھر

میں بیٹھی ہیں. کیسے ہوگا سب ....؟؟ کیا آپ سنبھال پائیں گے سب ... وہ بھی اس وقت جب آپ

سب لٹا کر بیٹھے ہوں. نزہت غصے میں سب تہذیب تقریبا فراموش کر چکیں تھیں. ایسا لگتا تھا کہ

گویا کوئی آتش فشاں پھٹ گیا ہو. جس نے آس پاس کی ہر چیز جلا کر خاکستر کر دی. زبیدہ خاتون نے اپنے اکلوتے بیٹے کی سمت دیکھا..... جو گہری خاموشی

کے ساتھ بہن کے غصہ کا سامنا کر رہا تھا. پتہ نہیں کتنی دیر انکی زبان آگ اگلتی رہی. پر
انکی زباں سے ایک بھی خلاف توقع لفظ بد ادا ہوا. شفاف آنکھوں میں پانی اور لبوں پر
. گہرا اور معنی خیز تبسم. زبیدہ خاتون نے اک نظر دیکھا اور آنکھیں موند لیں

افسانہ عقیق - تیسری قسط

گہری نیلی پر سکون جھیل تا حد نگاہ پانی ہی پانی اور روح کو چیر دیتا ہوا سناٹا.

ارے یہ کیا! اچانک ہی کسی کی چھوٹی سی شرارت نے جھیل کے پر سکون ماحول میں بے چینی پیدا کر دی. ایک پتھر.....ہاں

بس ایک پتھر اور جھیل کی لہروں میں دور دور تک ارتعاش پیدا ہوتا گیا. پر جیسے ہی یہ ہلچل مچی تھی. ویسے ہی آہستگی سے ختم بھی ہوتی گئی

اور پھر سے وہی خاموشی اور سکون کی کیفیت ماحول پر طاری ہو گئی.

عتیق دھیرے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور ماں کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا..

ماں!.....آپ سن رہیں ہیں مجھے.....

جواب.....خاموشی

ماں! پھر سے اس نے پکارا.....آپ جانتی ہو نہ میں یہ سب کس لیئے کر رہا ہوں.

مجھے اپنے لیئے کچھ نہیں چاہیئے. ماں

ماں.....بابا کا میڈیکل اسٹور میں اکیلا نہیں چلا سکتا. میرے پاس فارمیسی کی ڈگری نہیں اور میری تعلیم بھی ادھوری رہ گئی ہے. بابا کے علاج میں ہم پیسہ کافی خرچ کر چکے ہیں. اگر جلد کچھ نہ کیا تو سب رہا سہا بھی کنارے لگ

جائے گا. مجھے معاف کر دیجئے گا مگر یہ بہت ضروری ہے

زبیدہ خاتون نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں ..... نہیں بیٹا مائیں کبھی اپنی اولاد سے خفا نہیں ہوتیں. اور پھر ایسا کیا کرنے جا رہے ہو تم؟؟؟؟؟

عتیق نے ماں کے ہاتھ تھام کر کہا. میں اپنے کام میں دو پارٹنرز شامل کر رہا ہوں. علاقائی ہیں اور میڈیکل کا اچھا خاصا پھیلا کاروبار ہے انکا نوابشاہ میں اور اب وہ ہمارے شہر میں بھی اپنا کام پھیلانا چاہتے ہیں. اس سے ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے. میرا کاروبار بھی بند ہونے سے بچ جائے گا بلکہ اسکو مزید آگے بڑھایا جاسکتا ہے.

پر بیٹا وہ لوگ بھروسے کے قابل تو ہیں نا..... زبیدہ خاتون کسی انجانے خوف سے لرز اٹھیں .... آج کل کتنا کچھ سننے میں آ رہا ہے

نہیں ماں میں نے اطمینان کر لیا ہے. سب ٹھیک ہے بس آپ اجازت دے دیں. پھر دیکھنا سب ٹھیک ہو جائے گا. حالات بھی بہتر ہو جائیں گے اور بہنوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں گا. میں جانتا ہوں جوان لڑکیاں گھر بیٹھی ہوں تو دس لوگ باتیں بناتے ہیں سچ مجھے آپا کی باتوں کا بالکل برا نہیں لگا..... عتیق

زبیدہ خاتون نے اپنے ہونہار بیٹے کا مسکرا کر ماتھا چوما اور کہا..... ٹھیک ہے آپ کو جو بہتر لگے آپ کریں.

ٹھیک .... عتیق خوشی سے جھوم اٹھا میں کل ہی شام کی چائے پر انھیں انوائٹ کر لیتا ہوں.

ایکشن ری پلے.....کلک کلک اور سین بدل گیا

مہمان گھر آ چکے تھے. ماں یہ شاہنواز اور یہ بہروز آپکا دوائیوں کا بہت بڑا.....
بزنس ہے. عتیق

بیٹھو بیٹا.....زبیدہ مخاطب ہوئیں. تو آپ دونوں ہیں وہ عتیق نے کافی ذکر کیا آپ کا
شاہنواز نے مسکراتے ہوئے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے ایک نظر پورے گھر پر
ڈالی. چھوٹا سا سلیقے سے سجا خوبصورت گھر

.پر یہ کیا اسکی نظر ہلتے پردے پر جم سی گئی

وہاں کوئی اور نہیں نزہت تھی جو سن گن لینے کے لیئے پردے کی اوٹ سے جھانک رہی
تھی. بس ایک لمحہ.....آپس میں نظریں ٹکرائیں. نزہت کی جیسے جان ہی نکل
گئی. وہ بھاگ کر واپس کمرے

میں چلی گئی. شاہنواز کی مسکراہٹ اور گہری ہوتی گئی.....دھڑ دھڑ زور سے
دروازہ پیٹا

.سماعت پر آواز ہتھوڑے کی مانند چوٹ برسا رہی تھی

کون ہے میں دھیرے سے اٹھی. کمرے میں شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا. سامنے ہی
میری بیٹی کھڑی تھی. ششم کلاس کی طالبہ اور میری پیاری سی گڑیا.....ماں! کیا
بات ہے آپ اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہیں. اور کیا بات ہوگئی اسطرح اچانک آپ

دکان سے چلی آئی. ابھی پاپا شجاعت انکل سے بات کر رہے تھے فون پر
کچھ نہیں بیٹا بس ایسے ہی تھک گئی تھوڑا ریسٹ کر رہی تھی اب ٹھیک ہوں. آپ چلو میں
ابھی فریش ہو کر آتی ہوں
نائلہ میری بیٹی خوشی سے جھوم اٹھی .....اوکے ماما لیکن جلدی ہاں
ماحول یکٹ دم ہی خوشگوار ہوگیا. ہم دونوں ہی ہنس پڑے کچھ دیر کی کیفیت اب ختم
. ہو چکی تھی

عقیق - چوتھی قسط

بریک چر چرائے اور بس ایک لمحہ ..... پھر کار فراٹے بھرتی ہوئی زن ..... سے گزر گئی پر یہ کیا جب تک کیچڑ سے بنے بے شمار نقش و نگار ہمارے لباس پر اپنی جگہ بنا چکے تھے.

ایک تو یہ بڑی کار میں بیٹھنے والے اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں. سرکار نے لگتا ہے سڑکیں انکے نام کیں ہوئیں ہیں. پیدل چلنے والوں کا خیال ہی نہیں

نائلہ کی زبان تواتر سے کار والے کی شان میں زہر اگل رہی تھی.

نائلہ ..... میں نے اسے سرزنش کی کوئی بات نہیں کبھی ایسا ہو جاتا ہے. اسکا مطلب یہ نہیں کہ آپ کسی کو بھی کچھ بھی بولتی جائیں. ہماری ڈانٹ کا نائلہ پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ چپ ہوگئ. گھر نزدیک تھا اسلیئے ہم لوگ کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے.

ماما! پھر بھی یہ بری بات ہے نا..... نائلہ نے دبے دبے لہجے میں پھر شکایت کی.

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا..... بے شک بیٹا.. پر یہ کیا درست ہے کہ اگر کوئی غلط کرے تو ہم بھی اسکا جواب غلط طریقے سے ہی دیں.....

ویسے بھی یہ داغ تو دھونے سے صاف ہو جائیں گے پر جو داغ ہمارے کردار پر لگ جائیں وہ تو دھونے سے بھی صاف نہیں ہوتے..... اب وہ الجھی ہوئی کچھ ہماری

طرف دیکھ رہی تھی .... مطلب..... مطلب یہ کہ ابھی واپس اسکول چلتے ہیں. آپکی پرائز کی تقریب شروع ہوگئی ہوگی. اسکے بارے میں کبھی میں آپکو تفصیل سے سمجھاؤں .....گی.....اب چلو بھی

ہم دونوں پھر سے اسکول کے لیئے نکلے. شکر ہے زیادہ دیر نہیں ہوئی ابھی تقریب شروع ہی ہوئی تھی.....نائلہ کو اسکی ٹیچر کی طرف روانہ کرکے میں بھی ایک کرسی پر بیٹھ ....گئی. پرنسپل ابھی تقریر کر رہی تھیں

..... تقریر سنتے ہوئے ہمارا ذہن پھر اسی نقطے پر اٹک گیا

..... کردار پر چھینٹے

نزہت نے جیسے تیسے کمرے میں انٹری ماری کیا ہوا آپا؟؟؟؟

.نصرت پوچھتی رہی

....نزہت کا ذہن ابھی تک ان آنکھوں میں اٹکا ہوا تھا

وقت کو اپنی چال چلنے سے کبھی کوئی روک پایا ہے... یہ نہ بے چارا عتیق جانتا تھا اور نہ ... سکی دونوں بہنیں

دھیرے دھیرے کاروبار جان پکڑنے لگا عتیق کا فیصلہ غلط ثابت نہیں ہوا گھر کے حالات .....بہتر ہو رہے تھے. زبیدہ خاتون نے اب تو کچھ پس انداز بھی کرنا شروع کر دیا تھا پر اسی بیچ شاہنواز اور اسکے دوسرے ساتھی کا گھر آنا جانا بڑھ چکا تھا. اب تو وہ عتیق کی .غیر موجودگی میں بھی آنے لگے تھے

انکا میل جول عتیق کی بہنوں سے بڑھ رہا تھا. جبکہ عتیق اس بات سے ابھی تک انجان تھا. اور رہی زبیدہ خاتون شاید انکی بیٹیوں کو انکی چنداں فکر بھی نہیں تھی وہ انکی سرزنش کو بلکل خاطر نہ لاتیں تھیں.

سارے گھر کو ایک عجیب سا سناٹا گھیر رہا تھا. جیسے جیسے ...کچھ بہت برا ہونے والا ہو عتیق جیسے ہی دوکان میں داخل ہوا. تو سامنے کا کاؤنٹر اسے خالی نظر آیا وہ شاہنواز کو ڈھونڈتا ہوا اسٹور روم کی طرف بڑھا.

.....پر اندر سے آتی ہوئی آوازوں نے اسکے قدم جیسے پتھر کے کر دیئے

نہیں پتہ چلے گا اسے. اسے پیسہ چاہیئے تھا وہ اسے مل رہا ہے. کم عمر نا تجربہ کار نوجوان ہے اسے کبھی بھنک بھی نہیں پڑے گی. کہ ہم اس سے بزنس کی آڑ میں نقلی دوائیوں کا کام کر رہے ہیں ویسے بھی ہمیں ایک ایسی جگہ چاہیئے تھی جہاں ہم رازداری سے اپنا کام کر سکیں. تم فکر نہ کرو اور مال کا آڈر دے دو. راتوں رات مال آجائے گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا.

.....عتیق کا تو جیسے خون ہی کھول اٹھا

میری اور بابا کی دوکان جو ہمیشہ محنت اور ایمانداری سے چلائی گئی یہ لوگ .....نہیں ان نقلی دوائیوں سے تو بہت سے لوگ مر سکتے ہیں. اسے ایسا لگا کہ ہر طرف بین کی آوازیں آرہی ہوں سبکی انگلیاں اسکی طرف اٹھ رہی ہوں.

نہیں.... نہیں ..... میں یہ نہیں ہونے دوں گا میں کسی غلط آدمی کا غلط کام میں ساتھ
.. نہیں دوں گا
کیا کروں پھر جیسے اسکی سمجھ میں آگیا..... وہ جلد ہی پولیس اسٹیشن کے لیئے دوکان سے
..... نکلنے لگا
دھڑام..... اور جلدی کے چکر میں پاس رکھا اسٹول گر گیا. اب اسٹور روم میں بیٹھے وہ
دونوں انسانیت کے دشمن خبردار ہو چکے تھے وہ تیزی سے دیکھنے نکلے کہ کون ہے جو انکی
باتیں سن رہا تھا.. پر عتیق نکل چکا تھا.... شاہنواز نے عتیق کو بائیک پر جاتے آخر دیکھ
..... ہی لیا اب اسکے لیئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا. کہ عتیق سب سن چکا ہے

افسانہ عقیق کی پانچویں قسط

نہیں نہیں میں ..... میں یہ نہیں ہونے دوں گا. اس نو عمر نوجوان کا دل ایک انجانے جذبے سے لبریز تھا. شاید قدرت اس سے کوئی بڑا کام لینے جا رہی تھی

دفعتا اسے کچھ یاد آیا اور اس نے اپنی بائیک کا رخ تبدیل کر لیا اب وہ اپنے بچپن کے دوست احسان کے گھر جا رہا تھا..... دوسری طرف شاہنواز بھاگ کے تقریبا بلاول کے پاس واپس پہنچا..... بلاول عتیق تھا میرے خیال میں وہ سب کچھ سن چکا ہے... ورنہ دوکان آ کر وہ اسطرح واپس نہیں لوٹتا.. اب کیا کرنا ہے.

کرنا کیا ہے بھائی کچھ سوچنا ہوگا نوجوانی کے جوش میں کہیں ہمارے لیئے وہ کوئی مصیبت نہ کھڑی کردے... بلاول حواس باختہ ہو کر بولا..

ٹھہرو پہلے ہمیں اس سے بات کرنی چاہیئے... شاہنواز....

ٹرن ٹرن ٹرن فون کی گھنٹی زور زور سے بج رہی تھی کہ نصرت نے دوڑ کر ریسیور اٹھا لیا.... جی اسلام علیکم ! فرمایئے کون...

دوسری طرف سے بلاول تھا.. نصرت عتیق گھر تو نہیں آیا...

نہیں تو... اور یہ کیا آپ کل کیوں نہیں آئے پتہ ہے میں اور آپا کتنا انتظار کر رہے تھے آپکا... نصرت اٹھلا کر بولی...

دوسری طرف سے بلاول نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا دیکھو نصرت ابھی ان باتوں کا

...وقت نہیں مجھے عتیق سے بیت ضروری کام ہے وہ ہے تو بات کراؤ میری

.....پر وہ تو دوکان ہی گیا ہے

.....اچھا گھر تو نہیں آیا

نہیں.....نصرت

ٹھیک ہے اگر وہ آئے تو فورا مجھے فون کر دینا ہاں اور میں نے تمھیں کال کی اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرنا...بلاول

ٹھیک نصرت کچھ الجھی ہوئی بے ساختہ سر ہلانے لگی. جیسے اسکے سر کی جنبش فون پر دکھائی ....دے رہی ہو

اسی وقت زبیدہ خاتون کی پیچھے سے آواز آئی بیٹا کون ہے؟؟؟؟؟

کوئی نہیں امی! رانگ نمبر تھا.....

ٹھیک ادھر آؤ ذرا میری دوائیاں دے دو پتہ نہیں کیوں دل بہت گھبرا رہا ہے

کچھ نہیں ہے ماں اپ دوالیں ٹھیک ہو جائے گا شاید بلڈ پریشر بڑھ گیا ہو. نصرت

دوسری طرف شاہنواز اور بلاول سر جوڑے بیٹھے تھے اسکا فون نہیں لگ رہا شاید آف ہے

گھر پر بھی نہیں آخر اسکے دماغ میں کیا چل رہا ہے. کہیں دھندا شروع ہونے سے پہلے ہی بند نہ ہو جائے

.....شاہنواز

.... اسکا کچھ کرنا پڑے گا ایک منٹ پھر اسکی انگلیاں کسی کو رنگٹ ملانے لگی

کیا کر رہا ہے بلاول .....شاہنواز

اللہ ڈنو کو فون ملا رہا ہوں اسکا قصہ ہی ختم کر دیتے ہیں...بلاول

پر بھائی نزہت اور نصرت.....انکا کیا ہوگا....شاہنواز

....بلاول نے مسکرا کر شاہنواز کو دیکھا

دیکھ بھائی بھنورے کا کام ہوتا ہے پھولوں کا رس چوسنا اور پھر اڑ جانا. یہ دل ول کب لگا بیٹھے.

زندگی رہی تو اور تتلیاں مل جائیں گیں اس وقت تو اپنی خیر مناؤ

....اور اس عتیق کا باب بند کرنا ضروری ہے اس سے پہلے وہ کوئی مشکل کھڑی کرے

....دوسری طرف کال ملتے ہی اس نے جیسے کچھ انسٹرکشن دیں

. ٹھیک سائیں !کام ہوتے ہی آپ کو اطلاع کر دیں گے آپ بے فکر ہو جاؤ

بلاول کے چہرے پر اب سکون نظر آ رہا تھا

صبح کے ملگجے اندھیرے میں دونوں چہرے بھیانک لگ رہے تھے

عتیق پھر سے دہک رہے تھے

.....لال لال سرخ گاڑھا خون ٹیبل کے جیسے چاروں طرف پھیلنے لگا

. میں نے گھبرا کر ٹیبل کور نیچے پھینکا کیا ہوا.....سب پریشان ہو گئے

ٹیبل پر موجود سامان فرش کی دھول چاٹ رہا تھا

آپ آرام کریں پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے آپکو اچانک

.نائلہ نے یہ کہہ کر مجھے پاس پڑے تخت پر لٹا دیا

ذہن بہت بوجھل ہو رہا تھا. میں سونے کی کوشش کرنے لگی

عتیق کی بائیک احسان کے گھر جا کر رکی

دھڑ دھڑ دھڑ.....دھڑ دروازہ پیٹنے کی آواز سے لگ رہا تھا کہ بہت جلدی میں کوئ

..... دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے

احسان نے دروازہ کھولا تو اسے سامنے عتیق کھڑا نظر آیا

...اسکا چہرہ اس وقت لال بھبھوکا ہو رہا تھا

خیریت عتیق....آج صبح صبح کیسے ...احسان

یار مجھے تجھ سے ایک بہت ضروری کام ہے. بول کرے گا نا

عتیق نے امید بھری نظر سے احسان کو دیکھا

ہاں ہاں ! کیوں نہیں بولو کیا کام ہے؟؟؟؟؟

ٹھیک پھر ایسا کر تھوڑی دیر کے لیئے میرے گھر چلا جا بلکہ ایسا کر ماں اور بہنوں کو اپنے گھر لے آ.... عتیق

پر کیوں میرے بھائ ..... خیریت تو ہے نا؟؟؟؟؟؟؟

کوئ بات ہو گئ ہے کیا اور تم کہاں جا رہے ہو؟؟؟؟

.....اس نے سوالیہ نظروں سے عتیق کو دیکھا

.....بتاتا ہوں پھر عتیق نے من و عن اسے سارا قصہ دہرادیا

اب احسان بھی فکر مند نظر آ رہا تھا

ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ان سے نی الجھو وہی بہتر ہے

.....بس کاروبار علیحدہ کرلو

نہیں عتیق بولا بس جو کہہ رہا ہوں وہ کردے تیرا احسان ہوگا مجھ پر وہ لوگ میرے گھر .....بھی پہنچ سکتے ہیں اور

وی کسی انجانے خوف سے لرز اٹھا

بس جتنی جلدی ہوسکے میرے گھر جا اور کوئی بھی بہانا کرکے انھیں گھر لے

آ.اور.....اور.... کسی سے غلطی سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا ورنہ تو بھی مشکل میں آ جائے گا

میرے بھائی میرے لیئے کرے گا نا

اس نے دوست کو بڑی یاس کی نظروں سے دیکھا

میرے پاس وقت نہیں کہ انکو سب واضح کر سکوں اور گھر گیا تو بہت دیر ہو جائے گی وہ دونوں فرار ہو گئے تو

عقیق کی آخری قسط

آنسو نہیں رک رہے تھے. رخسار پر انکے بہتے نشان صاف دیکھے جا سکتے تھے. کچھ بہت برا ہو چکا تھا.

یک دم ہی جیسے وقت نے پھر پلٹا کھایا.

عتیق کے چہرے پر اسکا عزم صاف نمایاں تھا. وہ انجام سے باخبر پر خوف زدہ نہیں تھا. وہ جو کرنے جا رہا تھا اسکا اثر اسکی آئندہ زندگی اور گھر بار پر پڑ سکتا تھا. پر ایسا لگتا تھا کہ اس نے سب کچھ رب کے حوالے کر دیا تھا. بے شک اس ذات باری سے بہتر پالنے والا اور منصف کوئی نہیں.

احسان کو مطمئن کر کے اس نے دوبارہ بائیک اسٹارٹ کی اور پولیس اسٹیشن کی جانب روانہ ہوا.

ہائی وے پر ہی اسکے موبائل نے بجنا شروع کر دیا. ایک لمحے اس نے بائیک روکی اور کال ریسیو کی

جی کون شاہنواز آپ کہیئے کیا کہنا ہے آپ کو..... عتیق

شاہنواز..... ہم جانتے ہیں کہ تمہیں ہمارے بارے میں سب پتہ چل گیا ہے بہتر یہی ہے کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ

ورنہ انجام ..... سوچ سکتے ہو بہت برا بھی ہو سکتا ہے.... وہ غرایا.....

عتیق نے غصے سے کہا..... تم کچھ نہیں کر سکتے.بزدل لوگ ہوتے ہیں وہ جو چند روپوں کے لیئے لاکھوں معصوم جانوں سے کھیلتے ہیں. جاؤ جو کرنا چاہتے ہو کرلو میرے قدم اب نہیں رکیں گے. یہ کہہ کر اس
نے فون بند کردیا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا. عینی شاہد بتاتے ہیں
.....کہ اچانک ہی کوئی دن کے بارہ بجے کے قریب ایک خوفناک حادثہ رونما یوا
سڑک پر دوسری جانب سے ایک ہیوی ٹرک ایک نوجوان کی بائیک کو زوردار ٹکر مارتا ہوا چلاگیا.....جی ہاں وہ نوجوان عتیق ہی تھا اور یہ کوئی اتفاقی ایکسیڈنٹ بھی نہیں تھا. عتیق نے بائیک ایک طرف کرکے اسے گزرنے کا انڈیکیٹر دیا تھا پر دیکھنے والے بھی محسوس کر سکتے تھے کہ یہ ایک واضح اور ارادی قتل تھا. گو کی بعد میں اسے ایک حادثہ کی شکل دے دی گئی.
عتیق کا جسم روڈ پر لہولہان پڑا تھا. اسے راستے میں ہی تقریبا ختم کردیا گیا تھا. اس کے ٹھیک دو گز پیچھے شاہنواز کی گاڑی تھی. اپنا اطمینان کرنے کے بعد وہ وہاں سے فرار ہوگیا..
لوگ عتیق کو مقامی ہسپتال لے گئے. روڈ پر ہر طرف لال لال گاڑھا خون بکھرا پڑا تھا. لال لال عقیق جیسا
لوگ آج بھی اس حادثے کو یاد کرکے لرز اٹھتے ہیں
احسان ابھی عتیق کے گھر پہنچا ہی تھا کہ اسکے ساتھ ہوئے حادثے کی خبر بھی پہنچ گئی. ایک کہرام برپا ہوگیا.

احسان نے چپ سادھ لی. اسکے دوست نے اس سے رازداری کی توقع جو کی تھی. اور شاید اس لئے بھی کہ اسکے گھر کی زمہ داری وہ احسان کو سونپ کے گیا تھا. اور افشا ہونے پر وہ اور عتیق کی فیملی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی.

سب فورا ہسپتال روانہ ہوگئے. کچھ دن زندگی موت کی لڑائی لڑتے ہوئے آخر کار عتیق نے دم توڑ دیا.

واقعے کو حادثہ کا رنگ دے دیا گیا. گواہوں نے بھی اپنے بیانات بدل لیئے آخرکار بہت سے دوسرے کیسوں کی طرح یہ بھی پولیس کی فائلوں میں ہمیشہ کے لیئے بند ہوگیا

عتیق کو سسکیوں اور آہوں کے ساتھ قبرستان میں سپرد خاک کردیا گیا..... یہ واحد ایسا واقعہ تھا جسکی جزئیات سے تک سب واقف تھے پر آپ اور ہم جیسے شاید کتنے ہی لوگ ہوں گے جو ایسے واقعات پر صرف اپنی بھلائی کے لیئے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلیتے ہیں. بہت کم لوگ عتیق جیسے ہوتے ہیں جو راہ حق میں اپنی جان مال اور گھربار کو بھی قربان کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے... پھر چاہے انجام کیسا بھی ہو.

میں پوچھتی ہوں آخر کیا ملا اس غریب کو یہ سب کرکے

جان گئی. گھر کا شیرازہ بکھر گیا. کاروبار چلانے والا نہین رہا وہ اپنے گھر کا واحد وارث تھا اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اسکے بعد اسکی ماں بہنیں دربدر ہو جائیں گیں. پھر بھی کیوں کس لیئے

شاید اس کا جواب میں یا آپ دے بھی نہیں سکتے جو لوگ اللہ کے بتائے راستے پر چلتے ہیں انکو دنیا کی واہ واہی اور صلہ کی تمنا بھی نہیں ہوتی اور سوائے چند لوگوں جنھوں نے چپ سادھ لی اور رب کے کون جانتا تھا کہ اس بچے نے کیا قربانی دی

اس دن کون سی آنکھ نہیں تھی جو اشکبار نہیں تھی

.....شاید آسمان بھی اس دن کھل کے رویا

بارش سے عتیق کی قبر کی مٹی گیلی ہوگئی تھی اور ایک دھیمی سی خوشبو اس میں سے اٹھ رہی تھی... بعد میں سننے میں آیا کہ وہ دونوں سندھی اچانک ہی کہیں غائب ہوگئے. عتیق کی فیملی اپنا گھر اور دوکان بیچ کر کراچی شہر چلی گئی. اور بظاہر یہ باب ہمیشہ کے لیئے بند ہوگیا پر ابھی بھی کچھ سوال تھے ہمارے ذہن میں اسکا جواب ایک ہی شخصیت دے سکتی تھی.....

تقریبا کوئی بارہ سال بعد بس اسٹاپ پر ایک شناسا سا چہرہ دکھا.....ہاں وہ نزہت باجی ہی تھیں میں انکا چہرہ کیسے بھول سکتی تھی میں نے پاس جا کر انکو سلام کیا.....آپا آپ یہاں پہچانی مجھے...میں شہزین

ایک لمحہ بس انھوں نے نظر کی اور کوئی جواب دیئے بنا آتی ہوئی بس کو اشارہ کیا اور یہ .....کیا وہ بس رکتے ہی اس میں سوار بھی ہو گئیں

میرے پاس سب جاننے کے لئے شاید دوبارہ یہ موقع نہیں آتا..میں بھی انکی تقلید میں بس میں سوار ہوگئ.

کیوں پیچھا کر رہی ہو میرا مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی ..... نزہت غصے سے بولی
آپا پلیز ہم آپکا دل نہیں دکھانا چاہتے بس آپ سے کچھ جاننا چاہتے ہیں عتیق بھائی کے
بارے میں پلیز آپا ہم نے تقریبا للجاتے ہوئے ان سے درخواست کی ..... بھائی کا نام
سن کر انکے چہرے پر درد اور نمایاں ہوگیا..... اچھا چلو میرے ساتھ
..... اور وہ اپنے ساتھ مجھے اپنی رہائش گاہ لے گئیں
آؤ اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے وہ سامنے پڑے صوفہ پر براجمان ہو گئیں ..... کیا
..... پوچھنا ہے پوچھو
آپا ایسا کیا ہوا جو آپ لوگ شہر چھوڑ گئے .. ہمارے سوال پر جب انھوں نے اپنا چہرہ
اٹھایا تو وہ آنسوؤں سے تر تھا
..... پھر وہ کانپتی ہوئی آواز میں گویا ہوئیں
ہم نادان تھے اپنے ہیرے جیسے بھائی کی قدر نہیں کرسکے اور نادانی میں اسکی عزت کو
..... بھی روندتے رہے
بہت بھاری قیمت ادا کی ہے ہم نے شہرین .... اور اچانک ہی ہمارا ہاتھ پکڑ کے انھوں
..... نے ہمیں زبیدہ خاتون کے روبرو کردیا
دیکھو یہ وہ عورت ہے جس نے بیوگی بھی جھیلی اور جوان بیٹے کی موت کا صدمہ بھی. اور
..... ہم جیسی اولاد کی بے راہ روی بھی

پتہ ہے آج تک اسکی آنکھ سے ایک قطرہ آنسو بھی نہیں ٹپکا خاموش ہے یہ اسی لمحے سے نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے. بس اسکی آنکھیں ایک ٹک دروازے پر ٹکی رہتی ہیں کہ شاید اسکا بیٹا ابھی کہیں سے واپس آ جائے.....اسی لمحے نصرت بھی کمرے میں داخل ہوئیں. کمرے کا ماحول اچانک ہی سوگوار سا ہوگیا پر زبیدہ خاتون اسی طرح خاموش بیٹھی رہیں .....

.....بعد میں نصرت باجی نے ہمیں بتایا جو ہم آپکے گوش گذار کرتے ہیں
بھائی ہسپتال میں تھے جب ہمیں ڈاکٹر یہ خبر دی کہ ابھی کچھ امید ہے
عتیق کے سر پر گہری چوٹ آئی تھی. دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ایسا لگتا تھا جیسے سر بیچ میں سے دولخت ہوگیا ہو پر جانے کیا وجہ تھی کہ سانس کی ڈور ابھی بھی ساتھ نہیں چھوڑ رہی تھی.... جیسے ہی یہ خبر سبکو ملی ہم بہت خوش ہوگئے ایک امید نظر آنے لگی
شاہنواز اور بلاول اس وقت وہیں موجود تھے. یہ خبر سنکے انھیں اپنے سر پر تلوار لٹکتی نظر آنے لگی.....
انھوں نے سب کو مطمئن کرکے گھر واپس بھیجا آپ لوگ تھوڑا آرام کرلیں ہم ہیں نا ہم .....عتیق کا پورا دھیان رکھیں گے.....شاہنواز زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا
سبکے جانے کے بعد وہ عتیق کا کیس دیکھنے والے ڈاکٹر سے ملے

.....جی ڈاکٹر صاحب تو کیا کہہ رہے تھے آپ عتیق بچ سکتا ہے

جی جی حیرت کی بات تو ہے پر یہ معجزہ قدرت کا ہے ورنہ اتنے خطرناک ایکسیڈنٹ کے بعد کسی کا بچنا میری ڈاکٹری کی ہسٹری میںس پہلا واقعہ ہے

ڈاکٹر نے جواب دیا

جی ٹھیک کہا پر جان ہے ہوش تو نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کبھی ہوش میں ہی نہیں آئے یہ کہہ کر اس نے ڈاکٹر کا تھوڑا ہاتھ دبایا

...مطلب کیا ہے آپکا ڈاکٹر اٹھ کے کھڑا ہو گیا

مطلب صاف ہے ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہوش میں آئے اور اسکے لیئے ہم آپکو بھاری رقم ادا کرنے کے لیئے تیار ہیں ورنہ آپ بھی اسکی جگہ لیٹے ہو سکتے ہیں .....ایک واضح دھمکی.....

.وہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا

جان اور پیسہ یہ دو چیزیں ہی تو انسان کی کمزوری ہوتی ہین وہ راضی ہو گیا اور بہت ہی رازداری سے عتیق کو زہر کا انجکشن دے دیا گیا.....

.....رہی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو اسکو بدلنا کون سا مشکل کام تھا

عتیق کی موت کے بعد بھی وہ لوگ کچھ دن تک اسکے گھر آتے رہے یہ بات احسان سے برداشت نہیں ہوئی اور اس نے سب کچھ زبیدہ خاتون کو جا کر بتا دیا.....

جوان بیٹیوں کی بدنامی کے خوف سے اور انکے مستقبل کی خاطر انھوں نے چپ سادھ

لی اور راتوں رات گھربار بیچ کر دوسرے شہر چلیں آئیں....پر جہاں بھی انھوں نے
.....رہائش اختیار کی انکی بدنامی ان سے پہلے چلی آئی

یہی وجہ ہے کہ میں نے تم کو پہچاننے سے انکار کیا..... ہم آئے دن گھر بدلتے رہتے
ہیں. شادی تو دور کی بات ہے زندگی بھی مشکل ہو گئی ہت.....نزہت باجی روتے
ہوئے بولیں...ان دونوں کا کچھ پتہ نہیں چلا ویسے بھی ایسے لوگوں کو ہمارا قانون خود
.....گنجائش دیتا ہے

....میں دم سادھے چپ چاپ بیٹھی تھی

اوہ..... میرے خدا!!!!! کوئی اتنا بے رحم کیسے ہو سکتا ہے

پھر دھیرے سے میں اس ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی

بہت عظیم تھی یہ ماں جس نے ایسے بیٹے کو جنم دیا

اور جانے کب تک اس جاری آزمائش کا حصہ بننا لکھا تھا

ماں جی! میں ان سے مخاطب ہوئی آپ تو بہت مضبوط ہو آپ کو اپنی اولاد پر فخر ہونا
چاہیئے اس نے اپنی جان کی قربانی دے کر پوری انسانیت کی خدمت کی ہے پتہ ہے مجھے
.ہمیشہ راشد منہاس کے اور عتیق بھائی کے چہرے میں مماثلت دکھتی تھی

پر یہ نہیں جانتی تھی کہ ایک جیسے دکھنے والے ان دونوں نوجوانوں میں ایک بات
مشترک ہے

وہ ہے انکا جذبہ انکا یقین اور اپنے مذہب اور اپنی مٹی سے محبت

شہید ہے آپکا بیٹا ..... بد نصیب ہیں وہ لوگ جو آپکو بدنام کرتے پھرتے ہیں
وہ توجنت کے دروازے پر آپکا استقبال کرنے کے لیئے کھڑا ہے
.دیکھیں یہ تصویر لگتا ہے کہیں سے کہ کسی مردہ شخص کی ہے
آپکا بیٹا آپکے پاس ہے ہم سب کے پاس اور ہم سب کو مسکرا کر دیکھ رہا ہے
..... میری آواز میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی میرے جملے اپنا وجود لڑکھڑا رہے تھے
..دفعتاً زبیدہ خاتون کے جسم میں حرکت ہوئی
وہ بری طرح کانپ رہی تھیں
..... وہ رو رہی تھیں. زور زور سے
ہم میں سے کسی نے انھیں روکنے کی کوشش نہیں کی. یہ ضروری تھا کہ یہ آنسو بہہ
.....جائیں جو نہ جانے کب سے ان آنکھوں میں رکے ہوئے تھے
مجھے نہیں پتہ کہ اس کہانی سے آپ نے کیا سبق لیا
پر یہ ایک حقیقت تھی جسے بہت دن سے میں تحریر کرنے کے لیئے بے چین تھی. اسلیئے
.....اسے افسانے کا رنگ دے کر ہماری ویب کی زینت بنایا
اگر آپ بھی مجھ سے متفق ہیں تو ایک بار ضرور دل سے اس ماں اور اس نوجوان عتیق
کے لیئے ضرور دعا کیجیئے گا....اور وعدہ کیجے گا کہ ہم کسی بھی ایسے واقعہ پر اپنی آنکھیں
بند کرنے کے بجائے سچ اور صرف سچ کا ساتھ دیں گے آج

..... بھی ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکا ضمیر آج بھی زندہ ہے مردہ نہیں
ہمارے چہرے آنسوؤں سے تر ضرور تھے پر ہمارے ہاتھ اس نوجوان کو سلیوٹ کرنے
.کے لیئے اٹھ چکے تھے
شاید اس دن کے بعد بھی ہم نے کبھی عقیق کو نہین چھوا کبھی گلاب ہاتھ میں نہیں لیا
.....اب بھی ہمیں سرخ چیزیں دیکھ کر بہتا خون یاد آتا ہے
.اللہ ہم سب پر اپنی رحمت بنائے رکھے
آمین
شکریہ
آپکی حیاء غزل

افسانہ.... کٹی پتنگ پہلی قسط

(معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کی طرف اشارہ کرتی ایک سبق آموز کہانی)

اساں ہٹر ٹر جاناں اے دن رہ گئے تھوڑے

اساں ہٹر ٹر جاناں اے دن رہ گئے تھوڑے.....گھر میں بجتے رخصتی کے گانے سب کو ہی آزردہ کر رہے تھے اور وہ.....جس کے لیئے یہ سب اہتمام کیا گیا تھا.....بے تاثر تھی اور سپاٹ چہرہ لیئے سب کے بیچ ایسے بیٹھی تھی. جیسے اس سب سے اسے کوئی سروکار ہی نہیں

سرسوں کے رنگ جیسا پیلا جوڑا.....اور موتیئے اور گیندے کے پھولوں سے بنے گہنے.....ہاتھوں میں سجی خوبصورت نقش و نگار سے مزین مہندی جن سے ہلکی ہلکی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی...کسی بھی کنواری لڑکی کا دل دھڑکا سکتی تھی

اور وہ بھی ایسے وقت جب ودائ میں چند دن ہی رہ گئے ہوں.....پر وہ تو جیسے اپنے آپ میں ہی نہیں تھی. وہاں موجود سب لوگ اسکے ایسے برتاؤ کو نئی زندگی میں داخل ہونے اور آگے ہونے والے نئے تجربات کے خوف سے تعبیر کر رہے تھے. جس سے ہر لڑکی دوچار ہوتی ہے.

پتہ نہیں جس گھر میں وہ اپنا نیا آغاز کرنے جا رہی ہے وہ کیسے لوگ ہوں. اسکو کیسے ماحول اور رہن سہن کا سامنا کرنا پڑے..... اسے کتنے دن لگیں سب سے گھلنے ملنے میں اور میکہ کیا وہ فراموش کر پائے گی بھی یا نہیں وغیرہ وغیرہ غرض ایسی بہت سی کئی باتیں..... پر جہاں انجانا خوف ہوتا ہے وہاں زندگی کے ہم سفر کے ساتھ کی انجانی سی مسرت بھی ہوتی ہے جو سیماب کے چہرے سے غائب تھی. پر شاید شادی کی گہما گہمی اور ہنگاموں میں اس طرف کسی نے توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی. وہ بیٹھے بیٹھے اکتا گئی تھی. جیسے ہی وہ پاس بیٹھی اپنی سہیلی سے اس کا ذکر کرنے لگی تبھی کمرے میں اسکی ماں داخل ہوئی..... چلو چلو ہٹو سب دلہن کے پاس سے تم سب اپنا گانا بجانا جاری رکھو میں اسے دوسرے کمرے میں لے کے جا رہی ہوں تاکہ وہ تھوڑا آرام کرلے..... ثمینہ بیگم کے یہ کہتے ہی سب لڑکیاں ادھر ادھر ہو گئی. جیسے ہی وہ سیماب کو لے کر وہاں سے نکلی..... ڈھولک پر پھر سے تھاپ پڑنے لگی

مہندی سے لکھ دوری ہاتھوں پہ مورے میرے سانوریا کا نام

..... میرے سانوریا کا نام

جاتی سیماب کے کانوں میں جب یہ آواز پڑی تو جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور کانٹے کی طرح چبھنے لگا.....

..... آواز ابھی بھی آ رہی تھی

کتنا سہانا سمے ہے ملن کا مجھ کو سنورنے سے کام

.....مجھ کو سنورنے سے کام

کیا سچ میں ..... سیماب نے خود سے پوچھا.... کیوں آخر کیوں.... ہو رہا ہے میرے

....ساتھ ایسا

کیوں مجھے خوشی محسوس نہیں ہو رہی

.....کیوں اتنا ڈر لگ رہا ہے

.....اسکے ان سوالوں کا جواب خود اس کے پاس بھی نہیں تھا

.....دھیرے دھیرے جیسے آواز معدوم ہوتی گئی

کمرے میں داخل ہوتے ہی جیسے اس نے یک دم ہی بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر خود کو بیڈ پر

گرایا

..... دھم

کیا ہوا میری جان .... ثمینہ بیگم نے محبت سے اسکی پیشانی چومی بس ایک دو دن کی

.... بات ہے یہ سب ہنگامہ ختم اور پھر آرام ہی آرام

انکی آنکھیں آبدیدہ ہو رہی تھیں یہ سوچنا ہی انکے لیئے سوہان روح تھا کہ انکی لاڈلی اکلوتی

بیٹی کچھ دن میں انھیں چھوڑ

کر چلی جائے گی.. نہیں ماں میں ٹھیک ہوں آپ میری فکر نہ کریں. اس نے اپنے طور

.پر ماں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی

..... ٹھیک اسی لمحے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی

..... ٹھک ٹھک ..... ٹھک ٹھک

میں دیکھتی ہوں کون ہے ... ثمینہ بیگم نے سیماب کی نگاہوں کے تعاقب کرتے ہوئے .... کہا. جسکی آنکھیں سوالیہ انداز میں دروازے پر جم گئیں تھیں

جیسے ہی دروازہ کھلا سامنے فیصل صاحب کھڑے تھے ... وہ سیماب کے والد تھے. آپ .... کوئی کام تھا تو آپ مجھے آواز دے دیتے ..... ثمینہ بیگم جلدی سے بولیں

یہ سن کر وہ دھیرے سے مسکرائے اور بولے کیوں ہم اپنی بیٹی سے ملنے نہیں آ سکتے ویسے بھی اب تو یہ ہماری مہمان ہیں اپنے بابا کو چھوڑ کر جانے والی ہیں

..... کیوں بیٹا؟؟اپنے بابا کو بھول تو نہیں جاؤ گی یاد رکھو گی

وہ مضبوط چہرہ اس وقت ایک باپ کی محبت کا آئینہ دار تھا..اور آواز جیسے آنسوؤں سے .... بھیگی ہوئی

سیماب نے بے چین ہو کر باپ کے ہاتھ تھام لیئے ..... نہیں بابا آپ ایسے کہیں گے تو .... ہم کبھی شادی نہیں کریں گے

ہاہاہاہاہاہا..... اسکی یہ بچکانہ سی بات سن کر جیسے وہ دونوں روتے روتے ہنس .....پڑے

ارے نہیں بیٹا ! جب ماں باپ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو کسی اور کو سونپتے ہیں تو تھوڑی تکلیف اور درد تو محسوس ہوتا ہے نا اسکا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ ہم اپنے فریضہء قدرت سے منہ چرائیں... خوش قسمت ہوتے ہیں وہ ماں باپ جنکی بیٹیاں

.....انکے گھر سے بخیریت وداع ہوتی ہیں

پر بابا ہم کوئی بوجھ ہیں جو آپ لوگ ہمیں خود سے الگ کر رہے ہو... سیماب بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی....

.....کاش کاش.....یہ شادی رک جائے

.....کیسے بھی

نہیں ایسی کوئی بات نہیں یہ رب کا بنایا ہوا نظام ہے اب دیکھئے نا اگر ہم آپکی امی کو دلہن بنا کر گھر نہیں لاتے تو اتنی پیاری سی بیٹی بھلا کیسے ہمیں ملتی.....انکی بات ثمینہ بیگم کے چہرے پر شرم کی سرخی پھیل گئی.....

چلیں ہم نے بہت وقت لے لیا آپ کا...اب آرام کریں... تھک گئیں ہوں گیں

....

لوٹتے ہی جیسے اچانک کوئی خیال آیا اور وہ پھر پلٹے.....

سیماب.... شہزاد آپ سے ملنا چاہتے ہیں بہت اصرار کر رہے تھے سو منا کرنا مناسب نہیں سمجھا....

نہیں مجھے کسی سے نہیں ملنا..... وہ ایک دم ہی بے چین ہو گئی.....

تھوڑی دیر پہلے جو خوف غائب ہوگیا تھا اس نے پھر سیماب کو اپنی گرفت میں لے لیا

....

ہمممم.....کیا ضرورت ہے آپکو تو پتہ ہے نا انکی حالت کا.....ثمینہ بیگم

ہمممم....پر بیگم انھوں نے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سیماب کو چاہا ہے...اب اسکی ودائی کے وقت اگر وہ اس سے ایک بار ملنا چاہتے ہیں تو اس میں حرج کیا

... ہے.... کچھ نہیں ہوگا آپ مطمئن رہیں
پر بابا ہمیں نہیں ملنا ان سے .... بیٹا بس ایک بار بہت للجا کر انھوں نے ہم سے
.... درخواست کی ہے
سیماب کی کیفیت بہت الجھی ہوئی تھی. اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی بات
اپنے والدین کو سمجھائے..... سو اس نے خود کو جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے
کہا..... ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں
... فیصل اسکے جواب سے خوش ہوگئے

بات سے بات جو نکلی تو کہاں تک پہنچی

(حیاء غزل کا سفر ہماری ویب تک)

گھبرایئے گا نہیں ہم پھر سے پوری تقریب کا احوال آپکے گوش گذار نہیں کرنے جا رہے. ہمارے خیال میں ہمارے ہم عصر رائٹرز نے اس بارے میں کافی کچھ لکھ دیا ہے ہم تو صرف اپنے وہاں تک پہنچنے کی روداد آپ سے شیئر کرنا چاہ رہے تھے...اصل کی بات کی جائے تو پہلے ہم ایک شاعرہ ہی ہیں جو فی الحال اپنی گمنامی کے دور سے گذر رہیں ہیں..

ذہن و دل سے جو نکلی تو زباں تک پہنچی

بات سے بات جو نکلی تو کہاں تک پہنچی

حیاء غزل

بالکل درست بات سے بات جب نکلتی ہے تو کسے پتہ اسکی اڑان کہاں جاکے ختم ہو . ختم ہوتی بھی ہے یا نہیں یہ بھی کسے پتہ. خیر چھوڑ یئے یہ ایک الگ بحث ہے تو ہم بتا رہے تھے کہ ہماری شناسائی ہماری ویب سے کیوں اور کیسے ممکن ہوئی.

ٹھہریئے گلی سے کچھ آواز آ رہی ہے......... ہم نے جیسے ہی دروازہ کھول کے دیکھا تو ایک کباڑیا اپنا ریڑھا گھسیٹتا چلا آ رہا تھا.... بھائی صاحب ذرا رکیئے گا.. ہمارے آواز دینے پر وہ جیسے وہیں تھم گیا پھر دھیرے سے وہ اپنے ٹھیلے سمیت ہمارے دروازے پر چلا آیا. بہن جی کوئی سوکھی روٹی یا پرانا کباڑ یا ردی وغیرہ دیجئے میں سب سے اچھے دام لگاؤں گا...... وغیرہ وغیرہ.. نہیں آہاں! نہیں بھائی ہم نے تقریبا ہنستے ہوئے بولا ایسا کچھ نہیں ہاں آپکے پاس کچھ ردی ہے تو اسکا دیدار ضرور کرایئے.

ہاہاہاہاہاہا آپ حیرت میں ہوں گے کہ ہم کہیں سٹھیا تو نہیں گئے یا خدانخواستہ کسی ڈاکٹر کی ضرورت تو نہیں پڑ گئی ہمیں... تو اپنی خاطر جمع رکھیئے ایسا بالکل نہیں. ہزار لائبریریاں، شاپس چھان ماریں جو کلیکشن ان کباڑیوں کے پاس ملے گا وہ شاید ہی کہیں ملے. اب منہ میں انگلیاں دابنے کی کوئی ضرورت نہیں...... جی ٹھیک سمجھے ہم کتابی کیڑا ہیں اور اپنی خوراک کے لیئے جیسے ہر طرف ہی منہ مارتے ہیں. اسکے لیئے ہم ان ردی والوں کو بھی نہیں بخشتے. دیکھا جائے بنظر غائر تو کہیں نہ کہیں یہ ہمارے معاشرے کے تعلیمی انحاط کا بھی آئینہ دار ہے..بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی جاتیں ہیں. تعلیمی موضوع پر بڑے بڑے سیمینار منعقد کیئے جاتے ہیں. لمبی لمبی دھواں دھار تقریریں

کرکے بیش قیمت میڈل جیتے جاتے ہیں. پر ہوتا کیا ہے ہر سال کامیابیاں حاصل کرنے پر اکثر و بیشتر اسی قیمتی اثاثہ کو ردی کی صورت کباڑیوں کے ..... حوالے کردیا جاتا ہے ہونا تو یہ چاہیئے جو کتب آپکے خیال میں آپکے کام کی نہیں رہیں انہیں ان بچوں اور لوگوں تک پہنچادیا جائے جو کسی وجہ سے یا اپنے مالی وسائل کی بناء پر تحصیل علم سے محروم ہیں. شاید ملک میں بڑھتی ہوئی ناخواندگی پر اس سے کسی حد تک قابو پایا جاسکے. مگر افسوس ایسا اصل میں ہوتا نہیں ہے. یقین جانیئے ہم نے بہت سی بیش قیمتی کتب ایسے ہی ردی کے مول خریدیں. شہر کی گلیوں میں ایسے بہت سے سرورق اڑتے دیکھے جنھیں ٹھیلوں پر کھانے پینے کی چیزیں بیچنے والے کاغذی پلیٹ کی طرح استعمال کرتے ہیں. دیکھیئے ہم پھر سے بھٹک گئے. ایسے ہی تو عنوان بات سے بات نہیں رکھا ہم نے. سو ہم کہہ رہے تھے اپنا احوال. جی ناچیز نے کوئی تین سال پہلے فیس بک سے شاعری لکھنے کا سلسلہ شروع کیا. بڑھتے بڑھتے شعراء کے گروپس اور آن لائن مشاعروں میں شرکت کرنے لگے. یہاں آکر شاعری کے قوائد اور اوزان سے کسی حد تک آشنائی ہوئی. سو تحریر میں بھی بتدریج بہتری آنے لگی. اس ضمن میں ہم کچھ نام ایسے لینا چاہیں گے جنھوں نے ہماری بہت مدد کی. اور کررہے ہیں. ان میں ہمارے بڑے بھائی احمد جو خود بھی بہت اچھے شاعر ہیں. جواد بھائی، عمیر قریشی، ناظم بخاری، طارق اقبال حاوی جو ایک بہت اچھے شاعر ہیں اور ہماری ویب پر بھی لکھ رہے ہیں، منصور راٹھور، پارس مزاری، جناب اسامہ سرسری جو بلا معاوضہ نئے لکھنے

والوں کے لیئے ایک گروپ کے زریعے بحثیت استاد کے تربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔،اور زین شکیل جو ایک نئے اور ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔اور اسکے علاوہ بزم اشعار اور محفل غزل اور نہ جانے ایسے کتنے گروپ ہیں جن سے وقتا فوقتا ہمیں مفید مشوروں سے نوازا جاتا ہے۔سو یہ سفر ایسے ہی قائم دائم تھا کہ ایک دن طارق اقبال حاوی نے ہمیں ہماری ویب کا مختصر تعارف اور احوال بیان کیا اور یہی نہیں بلکہ انہوں نے ہمیں ہماری ویب سے رابطہ کرنے میں بھی مدد کی۔سو وہ دن اور یہ دن ہم ویب پر جب وقت ملتا ہے کچھ نہ کچھ لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔اس حوالے سے ہماری ویب قابل تحسین ہے۔جس نے نئے لکھنے والوں کی بے حد حوصلہ افزائی کی اور یہی نہیں بلکہ لکھنے کے لیئے ہر طرح کی سہولت مہیا کی۔آپ چاہیں کمپیوٹر پر ہوں یا لیپ پر یا آج کل عام سے اسمارٹ موبائل فون پر باآسانی اپنی کوئی بھی تحریر ہماری ویب کی رونق بنا سکتے ہیں۔رسائل ہوں یا اخبارات ان تک رسائی اتنی آسان نہیں۔ تحریریں یا تو ردی کی زینت بن جاتیں ہیں یا پھر اشاعت میں اتنا وقت لے لیتی ہیں کہ آپ کے پاس مزید تحریروں کا ایک ذخیرہ جمع ہو جائے۔ہماری ویب پر صرف تحریر بھیجیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کتنی جلدی قابل اشاعت ہوتی ہے۔بس ایسے ہی ایک دن ہم معمول کے مطابق لکھنے میں مشغول تھے کہ ہماری ویب کی جانب سے خواجہ مصدق رفیق کی ایک میل موصول ہوئی جناب ہماری ویب کے سپورٹ آفیسر ہیں۔اس میل میں ہمیں پہلی ای بک کی تقریب رونمائی میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا گیا۔سچ مانیئے کافی دیر تک تو

یقین بھی نہیں آیا. گھر والوں نے کہا کہ آج یکم اپریل ہے کہیں آپ کے ساتھ کوئی مذاق تو نہیں کیا گیا. ہاہاہاہاہا اس وقت تھوڑی دیر کے لیئے ہم بھی یہی سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ شاید ہوسکتا ہے باور پھر مبادا اسکے وہ میل بھی ہم سے ضائع ہوگئی. جس پر کنٹیکٹ نمبر تھا. خیر ہم نے ہماری ویب کا پیج کھول کر وہاں سے نمبر لیا. اور کال کی اور یہی نہیں ڈھیر ساری میل بھی. اور جبتک پورا اطمینان نہیں ہوگیا ہم چین سے نہیں بیٹھے. چار اپریل کو تقریب میں شرکت کی. گو کہ ٹریفک کے رش اور جابجا سگنل نے ہمیں کافی تنگ کیا پر پھر بھی تقریب میں جب نعت شریف کا آغاز کیا جانے لگا ہم پہنچ گئے. بہت خوبصورت نعت اور پر اثر آواز جسے ہم مدتوں فراموش نہیں کرپائیں. خیر تقریب کا آغاز ہوا. ممتاز اراکین ہماری ویب اور مہمانان گرامی وقتا فوقتا اپنی تقاریر پیش کرتے رہے. جن میں ہماری ویب کا ایک مختصرا جائزہ اور تعارف بھی شامل تھا یہی نہیں بلکہ آئندہ کا لائحہ عمل اور ترجیحات کو بھی موضوع بحث لایا گیا. خصوصا جناب رئیس صمدانی کے اس جملے نے تقریب کے تمام شرکاء کو تبسم پر مجبور کردیا کہ آج جس طرح ہماری ویب کا تعارف دیا گیا آپ سب مدتوں بھلا نہیں پائیں گے. اور پوری محفل کشت وزعفران ہوگئی. بہرحال یہ بذلہ سنجی کا مظاہرہ تھا پر حقیقت یہ تھی کہ یہ واقعی ایک یادگار تقریب تھی. تقریب کے اختتام پر تمام شرکاء کے گروپ فوٹو بنے. اس وقت ہمیں کافی حیرت کا سامنا ہوا جب ہم سمیت تمام موجود نیو رائٹرز کو بھی فوٹو سیشن کے لیئے بلوایا

گیا. پھر لائٹ ریفریشمنٹ سے سب کی خاطر خواہ تواضع کی گئی. ہم نے تقریب کے مہمان خصوصی، ممتاز شاعر اور ادیب جناب سحر انصاری اور معروف کالم جناب رئیس صمدانی سے ملاقات کی. اور انکے آٹو گراف بھی یاد داشت کے طور پر حاصل کئے. شام ہو چلی تھی اندھیرا پھیلنا شروع ہوگیا تھا بہت دور جانا تھا سو عجلت میں شرکاء کا شکریہ ادا کیئے بناء وہاں سے نکل آئے. گھر پہنچ کر اس غلطی کے ازالے کے لیئے شکریہ کی میل کی. کچھ دن بعد ہی تقریب کی تصاویر اور ویڈیو بمعہ پریس ریلیز اور اس پر لکھے گئے تمام آرٹیکلز اور کالمز کی تفصیلات اور لنکس کے ساتھ بذریعہ میل ہمیں مل گئیں. ہم سچ میں ہمیشہ یہ دن یاد رکھیں گے اس دن ہمارے چہرے پر خوشی صاف دیکھی جا سکتی تھی.

شکریہ ہماری ویب

افسانہ.....کٹی پتنگ (دوسری قسط)

اس کے آرام میں کوئی خلل نہ ہو اس لیئے وہ دونوں لائٹ آف کرکے کمرے سے باہر چلے گئے اور یہی نہیں ثمینہ سیماب کو روم اندر سے لاک کرنے کی بھی ہدایت کر گئیں .تاکہ مہمانوں میں سے بھی کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے. پر اسکی آنکھوں میں نیند کہاں تھی .آرام تو جیسے کوسوں دور تھا .ذہن الجھا ہوا اور پریشان، بے آواز بہتے آنسوؤں نے اسکے بے داغ چہرے پر جیسے بہتے کاجل کی ان گنت لکیریں کھینچ دیں تھیں .اس نے بستر سے اٹھ کر آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی .یکلخت ہی جیسے اسے اپنے چہرے سے نفرت محسوس ہونے لگی .شدید بے بسی کے عالم میں اس نے پاس پڑا اسٹون کا بنا خوبصورت سا شو پیس شیشے پر دے مارا.

شیشہ پوری طرح تو ٹوٹا نہیں پر اب اس میں چٹک کے بڑے واضح نشان نظر آرہے تھے .آئینہ اب بھی سیماب کا چہرہ دکھا رہا تھا پر ان گنت ٹکڑوں میں بٹا ہوا .وہ جھنجلا کر واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی .گانوں کے شور میں شاید کسی نے کسی نے کسی نے کانچ کے ٹوٹنے کی آواز پر دھیان نہیں دیا.

اب وہ بار بار کبھی اپنی پیشانی مسلتی تو کبھی ہتھیلیاں.....اوہ ! میرے خدا

میں کہوں بھی تو کس سے کبھی ذہن میں ماں باپ کا خیال آتا کہ سچ جاننے کے بعد انکا رد عمل کیا ہوگا؟؟؟؟ کبھی اسے فیصل کی لاش چھت سے جھولتی نظر آتی. یہ سب جان کر کہیں بابا..... نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی کبھی ماں کا آنسوؤں سے تر ندامت بھرا چہرہ تنگ کرتا تو کبھی لوگوں کی باتوں کا خوف ستاتا. پھر جیسے اسکے دماغ میں کوئی خیال برق کی مانند کوندا..... وہ تیزی سے اٹھی اور اپنی الماری میں کچھ تلاش کرنے لگی. جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز مل گئی.

یہ زہریلی دوا تھی. پر جیسے ہی وہ تیزی سے اسکا ڈھکن کھول کر پینے کی کوشش کرنے لگی. اسکے ہاتھ کانپنے لگے اور بوتل اسکے ہاتھوں سے گر گئی. اب ہاتھ کیا اسکا پورا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا. وہ بے دم ہو کر وہیں فرش پر ڈھیر ہوگئی. اب کیا موت بھی میرے نصیب میں نہیں. کیا کروں ....کچھ سمجھ نہیں آ رہا. جانے کتنے دن، مہینوں یا شاید سالوں سے وہ اپنے آپ سے ایسے ہی لڑ رہی تھی پر اب جیسے حد ہی ہو گئی تھی. اس نے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی. خودکشی ہی ہر مسئلے کا حل نہیں.....

تمہیں ٹھنڈے دماغ کے ساتھ اسکا حل سوچنا ہوگا. جیسے اسکے اندر سے کوئی آواز آئی..... وہ ہمت کرکے اٹھی اور وضو کرکے واپس روم میں آئی اور نماز کی نیت

کرنے لگی.....عبادت نے اسکے بے چین دل کو جیسے قرار دے دیا...اس نے سارا غبار اپنے سجدے میں نکال دیا...نماز ختم کرکے جب اس نے دعا کے لیئے ہاتھ اٹھائے تو جیسے اسکے لب ہی سل گئے شاید الفاظ باقی ہی نہیں بچے تھے اسکے پاس..... پر کہتے ہیں میرا مالک بڑا غفور و رحیم ہے اس سے کچھ نہیں چھپا اور نہ ہی چھپایا جاسکتا ہے وہ دلوں کی زبان بھی خوب سنتا ہے...اور اب جیسے اس نے سارا معاملہ اپنے رب کو ہی سونپ دیا ہو. وہ خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی.

ایسا آخر کیا تھا؟؟جو اسے پریشان کر رہا تھا. وہ بھی ایسے وقت جب لڑکیاں اپنی آئندہ زندگی کے سپنے بننے میں مصروف ہوتیں ہیں؟؟؟؟

آخر ایسی کونسی کمی تھی اسکی زندگی میں. فیصل صاحب کے پاس نہ پیسے کی کمی تھی نہ ہی عزت کی شہر کے متمول اور عزت دار گھرانوں میں انکے گھر کا شمار ہوتا تھا. سیماب کے لیئے بھی انہوں نے کبھی کوئی کمی نہیں ہونے دی اسکے بولنے سے پہلے ہر چیز اسکے پاس لادیتے. اسکی تعلیم وتربیت میں اس پر توجہ مین کبھی بھی تو کوئی کمی نہیں کی. ویسے بھی وہ انکی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی تو کمی کرتے بھی کیوں؟؟؟ کوئی روک ٹوک نہیں اور تو اور اسکی دوستوں کو بھی گھر میں اتنی ہی عزت دی جاتی پھر کیا؟؟؟آپکا ذہن بھی الجھ رہا ہوگا ہے نا

.....پر کچھ تو تھا ایسا جس نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا

.....شاید یہ جاننے کے لیئے ہمیں اسکے گذرے وقت میں جھانکنا ہوگا

شام ہونے لگی تھی پرندے بھی اپنے گھونسلوں کی طرف واپسی کے لیئے پر وان بھر رہے تھے. باہر ہر طرف جیسے سناٹا سا چھا گیا تھا سوسائٹی کے بنے خوبصورت بنگلوز کی قطاریں ایسے لگ رہین تھیں جیسے وہ صدیوں سے ویران پڑے ہوں. وہ بہت اداس سا چہرہ لیئے ریلنگ پر سر ٹکائے

نہ جانے کیا سوچنے میں مصروف تھی کہ اسی وقت ثمینہ بیگم کی آمد ہوئی..کیا بات ہے میری گڑیا کیا سوچ رہی ہے؟؟

...کچھ نہیں ماما! بس ایسے ہی ... سیماب نے سر جھٹک کر جواب دیا

اوکے بیٹا پر یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے پتہ ہے نا آج کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں؟؟؟

چلو جلدی سے منہ ھاتھ دھو کر اپنی حالت سدھارو اور ذرا اچھے سے ریڈی

...ہونا...ثمینہ بولیں

ماما مجھے نہیں ....آپ ضد نہ کریں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں...اس کا لہجہ قدرے الجھا ...ہوا تھا

ایسا نہیں کہتے بیٹا! وہ مہمان اپکے بابا کے ہیں اور خاص آپکو دیکھنے کے لیئے آ رہے ہیں اور اسطرح کرین گیں تو انھیں بہت دکھ پہنچے گا...انھون نے

...بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی

اوکے ماما اس نگٹ بے دلی سے اپنے کاندھے اچکائے بابا کو دکھ پہنچانے کا اسکا ارادہ نہیں تھا ویسے بھی اسکے خیال مین وہ ورلڈ بیسٹ بابا تھے

گاڑی کے ہارن کی آواز پر انہوں نے جیسے نیچے جھانکا دیکھو وہ لوگ آ گئے..میں جلدی سے سب تیاریاں دیکھتی ہوں

.تم تیار ہو جانا جلدی بیٹا جاتے جاتے بھی وہ اسے الرٹ کرتی ہوئی گئیں

....تھوڑی دیر کے لیئے اس نے بھی نیچے آنے والوں پر نظر کرنے کی کوشش کی

پر یہ کیا گاڑی سے باہر قدم رکھتے ہوئے روحیل کی جیسے نظریں پل بھر کے لیئے وہیں ٹک گئیں...

سرو قامت، خوبصورت چہرے اور کسے بدن کے مالک روحیل نے جب اس بڑی بڑی گہری جھیل سی آنکھوں والی اس بے پرواہ سی لڑکی کو دیکھا تو گھنی مونچھوں تلے اسکے لبوں پر دھیمی سی مسکان نے اپنا ڈیرا جما لیا.... ممم بات ہے ملنا پڑے گا...

...اس نے جیسے ابھی سے سیماب کے ساتھ اپنے پلان بنانا شروع کر دیئے تھے

یکٹ دم ہی پیچھے سے آتی ہوئی آواز جیسے اسے واپس ہوش کی دنیا میں لے آئی ... موصوف کیا صبح تک یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے راستہ دیں گے گاڑی سے ....نیچے اترنے کا اندر بھی تشریف لے جانا ہے

باپ کی بات پر روحیل اپنی بغلیں جھانکنے لگے....ہاں کیوں نہیں! آآ...آپ

....اتریں چلیں چلتے ہیں
انکی اس حرکت پر انکے والدین مسکراتے ہوئے معنی خیز نظرون سے انھیں دیکھنے
.....لگے..... سیماب بھی اب اندر جا چکی تھی

آزادیء نسواں ایک فریب یا حقیقت

آزادی نسواں کا تصور حجاب کے شرعی احکام کے ساتھ متصادم تصور کیا جاتا ہے. تو ہم اپنے موضوع میں حجاب کو بھی شامل کریں گے. پہلے ہم ان الزامات کا جائزہ لیتے ہیں جنکا اظہار اکثر مغربی پروپیگنڈہ میں کیا جاتا ہے. جیسے کہ اسلام میں عورتوں کو نقاب یا پردے کے سخت احکام کے ساتھ چار دیواری میں قید کردیا گیا ہے. وہ مردوں کی طرح تعلیم حاصل نہیں کرسکتیں. انکے لیئے لباس کی بھی سخت پابندیاں ہیں. وہ مردوں کے شانہ بشانہ مختلف کارہائے زندگی میں حصہ نہیں لے سکتیں اور نہ ہی کارنامے انجام دے سکتی ہیں... وغیرہ وغیرہ

بہرحال یہ ایک طویل بحث ہے. مگر یہ ہماری موجودہ مسلمہ امت کا المیہ ہے کہ ماسوائے چند پڑھے لکھے اور دین کی بنیادیات سے قدرے آگاہ طبقات کے علاوہ دوسرے نچلے طبقات کے پاس علم اور بنیادی معلومات کا فقدان ہے. یہی وجہ ہے جب ہم سے اکثر غیر مسلم جب یہ سوال کرتے ہیں تو ہمارے پاس دینے کے لیئے کوئی مدلل جواب نہیں ہوتا...

اسکے لیئے میری حکومت وقت اور علماء اور مشائخ سے عاجزانہ اپیل ہے کہ وہ

.....اسکے سد باب کے لیئے بہتر اصطلاحات تجویز کریں اور عمل بھی

ہمارا اس بات پر ایمان محکم ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالی ہے. اب چاہے وہ انسان ہو یا دنیا کی اور کوئ بھی جاندار ذی روح تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور نظام کائنات چلانے والا میرا رب ہی ہے. گذرتے وقت کے ساتھ بہت سی نشانیاں ....ایسی سامنے آ رہی ہیں جس سے اسلام کے حلقہ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے

اگر آپکا ایمان اپنے رب پر قائم ہے .. تو کیوں نہ اس کا کا جواب بھی اس ہی پاک ذات ...سے طلب کرتے ہیں

مرد اور عورت کو اسی نے پیدا کیا تو انکی پیدائش کا مقصد بھی اس سے بہتر کون واضح کر سکتا ہے؟؟؟؟

میری اس بات سے آپ یقیننا الجھ گئے ہوں گے . بھلا ہمارے سوال کا اللہ تعالی براہ راست جواب کیسے دے سکتا ہے؟؟؟؟تو چلیئے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں

.....

یہ نعرہ تو بڑے زور و شور سے لگایا جاتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کو برابری کی بنیاد پر کام کرنا چاہیئے. اور معاشرے کی بتدریج بدلتی صورتحال اس بات کی

.طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ ہم مغرب کے اس تصور کو تیزی کے ساتھ اپنا رہے ہیں

کیا خوب قیامت کی نشانی ہو کیا کوئی اور
سورج بھی نکلتا ہے مغرب کی سمت سے

حیاء غزل

جب مرد اور عورت ایک ہی کام کے لیئے پیدا کیئے گئے تو دونوں کا جسمانی نظام، مزاج، ساخت، صلاحیتیں جدا کیوں ہیں؟؟؟؟؟؟

میں یہ نہیں کہتی ہے عورتیں وہ سب نہیں کر سکتیں جو مرد کر سکتے ہیں. پر کیا یہ ضروری ہے کہ اس فرق کو مٹانے کے لیئے ایک جیسا لباس پہنا جائے، ایک جیسا ہیئر اسٹائل اپنایا جائے. یا اپنی چال کو تبدیل کیا جائے یا پھر ضرورت سے زیادہ بے باکی ...اپنائی جائے جو درحقیقت صنف نازک کے قدرتی خواص کو تقریبا تباہ کر دیتی ہے

اکثر خواتین یہ سوال کرتی نظر آتیں ہیں..... اللہ تعالی نے انسان اور اپنے رابطے کے .لیئے بہت سارے راستے تجویز کیئے ہیں

کیا آپ میرے ساتھ ان راستوں کو کھوجنا چاہیں گے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟

قرآن کریم اصلاح اور ہدایت کے لیئے ایک بہترین ذریعہ ہدایت

سب سے پہلے تو جو الہامی کتابین اتاریں گئیں ان میں بڑی واضح ہدایات درج ہیں پر افسوس سوائے قرآن مجید کے اب کوئ بھی کتاب اصلی حالت میں موجود نہیں ماسوائے ان شقوں کے جو قرآن مجید میں دوبارہ اختصار کے ساتھ بیان کردیں گئیں. باوضو ہو کر غیر جانبدارانہ طور پر یہ اسلیئے کہا کہ اگر آپ مسلمان نہیں بھی ہیں تب بھی ایک بار اپنی زبان کے ترجمے کے ساتھ اس کا تفصیلی مطالعہ ضرور کیجئے سو فی صد سوالوں کا جواب آپ بنا کسی عالم کی مدد کے خود ڈھونڈ لیں گے...قرآن میں آپ کا مخاطب خود ذات باری تعالی ہے اور یقیننا اس سے بہتر اور مدلل جواب کوئ نہیں دے سکتا.....

آپ سورت النساء کا مطالعہ کریں یا سورہ طلاق یا سورہ المائدہ غرض ابتداء سے لے کر اواخر تک آپکے کافی سوالوں کے جواب آپ کو باآسانی مل جائیں گے.....

اللہ تعالی سے رابطے کا بہترین طریقہ اسکی طرف سے بھیجے گئے پیغمبر اور رسول

اللہ تعالی نے ایک اور بہترین راستہ انسانوں کو دیا ہے آپسی رابطے کو قائم رکھنے کے لیئے. انسانوں میں سے ہی کچھ خاص ہستیاں اس کام کے لیئے منتخب کی گئیں یا یوں کہہ لیں انھیں مبعوث کیا گیا تاکہ وہ مزید واضح طریقے سے اسکی تعلیمات کو عام ذہنوں میں اجاگر کریں. اسکی بہترین مثال خود ہمارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے جنکی پوری زندگی قرآن مجید کی اور اللہ تعالی کے احکامات کا نچوڑ ہے. اور اس بات سے غیر مسلم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ کوئی فرضی انسان نہیں آج بھی دنیا کی بہترین شخصیات کے انتخاب میں ماشاء اللہ سر فہرست ہیں. اور تا قیامت رہیں گے.

عورت کی آزادی سے متعلق اور حقوق و فرائض اور دیگر احکامات کی بہترین تشریح اور مسائل کا بیان آپ اسوہ حسنہ کے مطالعے سے حاصل کر سکتے ہیں. اب یہ ہماری ذہنی نا پختہ گری کہہ لیں یا بھیڑ چال کہ ہم آج بھی اپنی تقریرون میں شیکسپیئر اور سگمنڈ فرائڈ کے بیان کردہ اصول ہائے زندگی کا تو فخریہ ذکر کرتے ہین اور اسے اپنا علمی تدبر خیال کرتے ہین پر اس شخصیت کے اقوال کو اور پوری زندگی کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہین جو بلاشبہ سب سے بہتر اور مدلل تجزیہ پیش کرتی ہے.

کیا آپ یہ بات جانتے ہیں جس مغرب کا آپ ڈھول پیٹتے ہیں وہاں بھی قرآن اور

اسوہء حسنہ کا تفصیلی اور تجزیاتی جائزہ لیا جارہا ہے بلکہ اسے اپنانے کی کوشش بھی کی جارہی ہے.... آگے ہم مغربی معاشرے میں خود انکے قائم کردہ مروجہ اصولوں کی روشنی میں نوجوانوں پر مرتب ہونے والے اثرات کا بھی جائزہ لیں گے.

جبتک کے لیئے الوداع

بہرحال یہ ایک نشست کی بحث نہیں. اپکی آراء اور سوالات کا انتظار رہے گا

شکریہ

حیاء غزل

مہمانوں کو گھر کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا. اور لائٹ رہفریشمنٹ سے انکی تواضع کی گئی. ہلکی پھلکی رسمی گفتگو کے بعد حسنین نے فیصل صاحب کے ساتھ مطلب کی بات چیت کا آغاز کیا.....

جی ! ہمیں آپ کی بیٹی سیماب بہت پسند ہے آج اسلیئے ہی خدمت میں حاضر ہوئے اگر آپ بھی روحیل کو پسند کرَ لیتے ہیں تو پھر بات آگے بڑھائی جاسکتی ہے. میرا مطلب ہم سیماب کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہین..اگر آپ پسند کریں تو؟؟؟؟؟؟؟؟

فیصل زیر لب مسکرانے لگے ..... حسنین آپ خواہ مخواہ تکلف کر رہے ہیں. لفظی تک بندی کی قطعی ضرورت نہیں اگر ہمارا ارادہ نہین ہوتا تو شاید ہم اسطرح ساتھ نا بیٹھے ہوتے . روحیل بیٹا ہمیں بھی بہت پسند ہے. پر حتمی فیصلہ ان دونوں نے ہی کرنا ہے. اب پرانا دور تو رہا نہیں جب سات پردوں کی شرط ہوتی تھی. کیوں نہ ان کا سامنا کرا دیا جائے. آخر زندگی انہوں نے ہی گذارنی ہے.....

حسنین بھی جواب میں مسکرانے لگے .... کیوں نہیں میں آپکی رائے سے پورا اتفاق کرتا ہوں.

دفعتا ہی ثمینہ بیگم سیماب کو لے کر روم میں داخل ہوئیں. روحیل کی تو جیسے نظر وہیں تھم گئی. پلکیں ایک جگہ ساکت ہوگئیں جیسے جھپکنا ہی بھول گئی ہوں....

وہ نازک سی کومل سی بڑی بڑی جھیل سی آنکھوں والی لڑکی اسے اسی وقت پسند آگئی تھی جب اس نے اسے خاندان کی ایک شادی میں دیکھا تھا. الگ تھلگ سی خاموش کم صم سیمآب کے بارے میں جب اسکی بہن نگین کو پتہ چلا کہ موصوف کی رائے بدل رہی ہے تو اس نے پہلے تو بہت شور مچایا.

اللہ بھائی کوئی اور نہیں ملی آپ کو دیکھا نہیں کتنی ریزرو لڑکی ہے. مغرور کہیں کی. آپ کو تو ایک نظر بھی نہیں دیکھا اٹھاکے. میرے بھائی کو لڑکیوں کی کوئی کمی ہے کیا....اس نے قدرے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا.....

روحیل اسے منانے لگے .....پیاری بہنا دیکھا ہے میں نے کتنی مغرور ہے وہ بھلے اس نے مجھے لفٹ نہیں کرائی پر اچھی لڑکیوں کی یہی نشانی ہوتی ہے بہت جلد کسی غیر سے جان پہچان بنانی بھی نہیں چاہیئے اور پھر اب تو جیسے اس دل کو ضد سی ہوگئی ہے وہ نہیں تو اور کوئی نہیں انھون نے جیسے اعلان کرتے ہوئے کہا...

ویسے بھی پیار اور اچھے برتاؤ سے کسی بھی شخص مین تبدیلی لائی جا سکتی ہے پھر دیکھنا وہ ہی لڑکی تمہیں سب کے ساتھ ہنستی بولتی نظر آئے گی. خیر نگین کو تو جیسے تیسے انھوں نے منا ہی لیا. ماں اور بابا کو بھی راضی کرکے یہاں تک لے آئے مگر جیسے آج بھی وہ انکو ایک نظر بھی دیکھنا گوارا نہیں کر رہی تھی. اسکی نظریں جیسے فرش پر گڑی ہوئیں تھیں. جبکہ انھوں نے صبح سے ہنگامہ مچاکے

رکھا ہوا تھا پوری کی پوری وارڈ روب گویا بیڈ پر الٹ دی تھی تب کہیں جا کے انھوں نے آج پہننے کے لیئے سوٹ سلیکٹ کیا تھا پر وہ لڑکی تو جیسے قسم کھا بیٹھی تھی نا دیکھنے کی .روحیل میاں بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے ورنہ دال نہیں گلے گی آپ کی

انھوں نے خود کو بہلانے کی کوشش کی شاید شرما رہی ہے. کوئی بات نہیں دھیرے دھیرے سب نارمل ہو جائے گا. تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ تو اندر چلی گئی جبکہ باقی لوگ .....دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے لگے

سیماب شروع سے یا یوں کہیئے بچپن سے ایسی نہیں تھی. اسکول اور کالج میں بھی پڑھائی کے دوران وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی ایک قدرے خاموش اور تنہائی پسند لڑکی تھی. کوئی اس سے بات بھی کرنے کی کوشش کرتا تو اسے ایسا تند و تیز جواب دیتی کہ ...اگلی بار اسکی بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی

....کچھ تو تھا جو وہ خود کو سب سے الگ تھلگ رکھتی تھی

..شاید اسکے بچپن میں کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو

تین سال کی سیماب گول مٹول سی بہت پیاری سی بچی تھی. اسکی آنکھیں ہر وقت ہنستی رہتیں. گلابی لب، ستواں ناک

زیادہ تو دو اسٹیپ والی بڑے سے گھیر کی فراک میں جس میں سے اسکے گورے گورے بازو جھانکتے ملبوس رہتی جو دیکھتا اسے ایک بار پیار کیئے بنا نہیں رہ پاتا....انہی دنوں انکی اوپر کی انیکسی میں ایک کرائے دار رہنے کے لیئے آئے .. شہزاد جی

یہی وہ شہزاد ہیں جن کا ہم نے کہانی کے شروع میں ذکر کیا تھا. شہزاد درمیانے قد اور متناسب جسم کے مالک ایک خوش شکل آدمی تھے. جاب بھی معقول تھی پر پتہ نہیں کیوں انھوں نے اب تک شادی نہیں کی تھی. تنہا رہتے تھے. کوئی عزیز رشتہ دار بھی نہیں تھا... گو کہ یہ سب کوالٹی اکثر لوگ رشتہ ڈھونڈتے وقت لڑکوں میں تلاش کرتے ہیں. پر انہوں نے کسی پر پوزل کا کبھی خاطر خواہ جواب نہیں دیا..... اور جب سے وہ انیکسی میں آئے انھیں یہ معصوم سی بچی بہت بھا گئی تھی.... بہن جی اگر آپ. برا نہیں مانیں تو میں سیماب کو اپنے ساتھ لے جاؤں.....

وہ اکثر ثمینہ بیگم سے للجا کر بولتے اگر میری شادی ہو جاتی تو آج میری بھی سیماب جیسی ایک پیاری سی بیٹی ہوتی وہ. بڑی محبت سے اسکی طرف دیکھ کر بولتے تو فیصل اور ثمینہ منع نہیں کرپاتے

پر وہ شادی کیوں نہیں کرپائے اس سوال کا جواب شاید انھوں نے کبھی نہیں دیا. پھر ایسا ہوا وہ اکثر سیماب کو اپنے ساتھ لے جانے لگے کبھی وہ اسکے لیئے ڈھیر سارے کھلونے لے آتے کبھی ڈھیر ساری چاکلیٹ، کبھی باہر گھمانے لے جاتے تو کبھی وہ انکی انیکسی میں کھیلتی رہتی. رفتہ رفتہ سیماب بھی ان سے بے حد مانوس ہو گئی اب تو اسکے والدین بھی ان پر. بے حد اعتماد کرنے لگے تھے.

ایک دن وہ عجیب سی کیفیت میں کام سے واپس لوٹے اوپر جاتے ہوئے جب انکی نظر کھیلتی سیماب پر پڑی تو حسب عادت انھوں نے ثمینہ سے پوچھا بہن میں سیماب کو اوپر لے جاؤں تو انھوں نے ہنس کے اجازت دے دی.

وہ سیماب کو لیئے اوپر اپنے کمرے میں آ گئے ...آ کر وہ تو اپنے بیڈ پر لیٹ گئے پر سیماب روم میں موجود اپنے کھلونوں میں مشغول ہو گئی.....

اچانک ہی انکی نظریں کھیلتی سیماب پر گڑ گئیں اب انکی نظرین اسکے جسم کا طواف کر رہی تھیں .انھوں نے اسے پچکار کر اپنے پاس بلایا اور دھیرے سے اسکے بازوؤں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے ...انکی آنکھیں سرخ ہو رہیں تھیں .....اوہو بیٹا آپ نے تو اپنی فراک گندی کر لی آیئے میں چینج کر دیتا ہوں.....

اس معصوم بچی کو بھلا کیا پتہ اس فرشتہ صفت نظر آنے والے چہرے کے پیچھے ایک شیطان جاگ چکا تھا... وہ تنہا بے بس معصوم سی لڑکی نہ اس بات کو سمجھ سکتی تھی اور نا ہی اپنا دفاع کر سکتی تھی....

وہ شام بھیانک اندھیروں میں ڈوب گئی اور یہاںتک کہ ان اندھیروں نے سیماب کی آئندہ زندگی کو بھی نگل لیا.....

آزادیِ نسواں ایک فریب یا حقیقت-دوسرا حصہ

راہ ہدایت کا یہ سلسلہ صرف انبیاء تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ خلفائے راشدین، اہل بیت اور امامت کے سلسلے، صحابہ ء کرام، تابعین اور تبع تابعین اور اولیائے کرام تک چلتا ہے اور تا قیامت انسانوں کی ہدایت کا بہترین انتظام کیا گیا ہے.

تیسرا طریقہ عبادت خصوصا نماز ہے

عبادت خصوصا نماز اللہ سے براہ راست رابطہ کا ایک بہترین ذریعہ ہے. آپکے آس پاس یا جسمانی طور پر بہت سے اعمال اور واقعات رونما ہوتے ہیں. جسکے نتیجے میں آپکے حواس متاثر ہو کر دماغ کو معلومات بھیجتے ہیں. اور یوں اپکو آگاہی حاصل ہوتی ہے. اگر آپ پڑھ رہے ہین تو یہ آوازیں جنھیں آپ سن بھی رہے ہوتے ہیں وی سب ثانوی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں. چاہے ان میں آپکے خیالات ہی کیوں نہ ضم ہوں. یہ باتیں شعور میں یکجا نہیں ہوتیں بلکہ آپ کی توجہ پوری طرح پڑھنے کی طرف مبذول ہوتی ہگ. یہی یکسوئ نماز میں بھی شرط ہے اسکے بناء آپ اللہ سے براہ راست رابطے میں نہیں آ سکتے. ایسا سمجھ لیں پھر آپکی نماز اس

وقت ایک طرح کی ایروبک یا یوگا آسن کی حیثیت اختیار کرلے گی جو ورزش تو کہلائے گی پر عبادت نہیں.

خیر یہ سب صرف وضاحت کے لیئے مختصرا بیان تھا اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں. اللہ تعالی کی تعلیمات اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں انسانی زندگی کو دو شعبوں مین تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک گھر کے اندر کا شعبہ، دوسرا گھر کے باہر کا شعبہ، گھر کے اندر کا شعبہ خواتین کے سپرد کیا گیا ہے جبکہ گھر کے باہر کا شعبہ مردوں کے. اسکی وجہ یہ ہے مرد جسمانی اعتبار سے طاقت اور قوت میں زیادہ ہوتے ہیں وہ گھر کے باہر معاشی، سیاسی اور سماجی امور بہتر طور پر سرانجام دے سکتے ہیں جبکہ عورتیں ان کاموں کی انجام دہی میں جو ذہنی اور جسمانی تھکان محسوس کرتی ہیں اس سے میری بہنیں جو ذرہعہ معاش کے لیے گھروں سے باہر ہیں انکار نہیں کریں گیں. اور ان دونوں شعبوں میں توازن ایک متوازن اور معتدل زندگی کے لیے بہرحال ضروری ہے.

اور دیکھا جائے تو مرد اور عورت کی جسمانی قوت بالکل بھی یکسان نہیین. انکی فطری تخلیق اس بات کی مظہر ہے. کہ اسلام کی تعلیمات غلط نہیں. اسکی مسلم معاشرے میں خصوصا صحابہ کرام کے دور میں آپکو بہت مثل جائیں گیں. یہ بات اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ عورت کو بنا ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت

نہیں. ویسے بھی جہاں اللہ تعالی کے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات آ جاتے ہیں وہاں بحث کی گنجائش نہیں.

مغرب کے آزادیء نسواں کے تصور کو آج کل ہم نے اپنی زندگیون پر لاگو کرلیا ہے لیکن جس معاشرے میں پاکیزگی اور اقدار کی اہمیت ہی نہ ہو جہاں معاشرے کی اس تقسیم کو اخلاقی پستی اور حیا سوزی میں روکاوٹ سمجھا جائے کیا اسے قبول کرنا صحیح ہوگا. جب مغرب میں یہ لہر پیدا ہوئی تو مرد کو عورت گھر میں بوجھ لگنے لگی وہ ایک طرف اپنی ہوسناک طبیعت کی تسکین بھی چاہتا تھا تو دوسری طرف اسکی قانونی معاشی کفالت سے بھی انکاری. اسکا عیارانہ طریقہ نکالا گیا اور اسے آزادیء نسواں کا نام دیا گیا. مطلب عورت کو یہ سبق پڑھایا گیا کہ وہ آج تک چار دیواری میں قید تھی. اسے اس قید سے باہر اکر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے. دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب اسکا انتظار کر رہے ہیں جبکہ اسلام نے تو عورت کو کئی سو سال پہلے ہی آزادی دے دی تھی بلکہ یہی نہیں اسکی سہولت کے لیئے بہت سے قوانین بھی بنائے گئے تھے. جنکا متبادل آج بھی کسی معاشرے میں موجود نہیں.

پر اس پروپیگنڈے کے نتیجے میں عورت باہر آگئی. ذرائع ابلاغ کے ذریعے شور مچایا گیا کہ عورت کی صدیوں سے قائم غلامی کی زنجیریں توڑ دیں گئیں.

عورت سڑکوں پر آگئی. اسے آفس ورک میں جگہ دی گئی. اجنبی مردوں کی پرائیوٹ سیکرٹری کے طور پر تو کبھی کلرک کے اور کبھی اسٹینو ٹائپسٹ سیاست چمکانے لیے کبھی تو کبھی تجارت چمکانے کے لیے اسکے ایک ایک عضو کو.بر سر بازار رسوا کرکے گاہوں کو دعوت دہ گئی کہ آو ہم سے مال خریدو. جس عورت کو اسلام عزت اور آ.برو کا تاج پہنایا اور عفت و عصمت کے یار ڈالے . وہی اب ایک شوپیں اور مرد کے لیے تفریح کا ذریعہ بن گئی. آج ہر گھٹیا کام عورت کے سپرد ہے اگر آپ میری اس بات سے اتفاق نہیں کرتے تو ذرا بتایئے گا کہ مغرب میں کتنی عورتیں سیاست کے اہم شعبوں میں ہیں یا جج ہیں یقیننا یہ تناسب ان عورتوں کی بنسبت کم ہوگا. جو آزادی ء نسواں کے فریب کا شکار ہورہی ہیں. تمام نچلے درجے کے کام عورت سرانجام دے رہی ہے. وی ویٹرس ہے وہ ہوٹلوں میں روم اٹینڈ نٹ ہے. دوکانوں ہر سیلز گرل ہے دفاتر کے استقبالیہ پر بھی آپکو عورت ہی نظر آئی گی. بیرے سے لے کر کلرک تک کے فرائض یا مناصب اسی عورت کے سپرد کیے گئے جسے گھر کی قید سے آزادی عطا کی گئی. عورت اگر گھر کے اندر یہی فرائض انجام دے تس ذلت اور یہی کام جب وہ گھر سے باہر دوسرے مردوں کے لیے انجام دے تو یہ آزادی اور اعزاز

عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کے لیے ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ آبادی کا نصف معذور نہیں چھوڑ سکتے تو پہلے صاحبان مردوں کی پوری ابادی کو

--تو برسر روزگار کر دیجئے پھر باقی نصف آبادی کے بارے میں سوچیے گا
.انشاء اللہ ہم اس آرٹیکل کے تیسرے حصے میں اسکے فوائد اور نقصانات کا جائزہ لیں گے

کٹی پتنگ... چوتھی قسط

آسمان پر رنگ برنگی پتنگوں نے جیسے سماں باندھ رکھا تھا. جیسے ہی کوئی پتنگ کٹتی ایک شور سا اٹھتا اور پھر دھیرے دھیرے مدھم ہوتا جاتا وہی پتنگ جو پہلے بڑے غرور سے آسمان پر ہواؤں کے تھپیڑوں سے لڑ رہی ہوتی تھی اچانک ہی انجانے اور ان چاہے ہاتھوں میں کٹ کے اس کی ڈور آ جاتی. پر کسی نے سوچا ہے اگر اس پتنگ کے کو زبان مل جائے تو کیا وہ اپنا درد بیان کر پائے گی.

سیماب بھی تو ایک پتنگ ہی تھی جس کی ڈور شہزاد صاحب کے ہاتھوں میں آ گئی تھی. اس بے چاری کی تو اتنی عمر بھی نہیں تھی. جو اسے کسی بات کی سمجھ ہوتی. عصمت کے تصور کو جینے سے پہلے ہی وہ اسے کھو چکی تھی. اور پھر یہ اکثر ہونے لگا. وہ اسے کسی نہ کسی بہانے اپنے ساتھ لے جاتے جب ثمینہ بیگم استفسار کرتین تو وہ اپنی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر کے کہتے باجی اگر میری بھی شادی ہو گئی ہوتی تو آج سیماب جیسی میری بھی بیٹی ہوتی. وہ چاہ کر بھی انکار نہیں کر پاتیں. اور ہمیشہ کی طرح وہی درد نگی کا کھیل شروع ہو جاتا. بعد میں وہ اسے ڈرا دھمکا کر چپ کرا دیتے تو کبھی ڈھیر ساری چاکلیٹ اسکے ہاتھوں میں تھما دیتے تھی تو وہ بچی ہی نا. کبھی اسکے لیئے ڈھیر سارے کھلونے اور کپڑے

.لاتے جن میں عریانیت جھلک رہی ہوتی. انکی آنکھیں اسکا ہمیشیہ تعاقب کرتی رہتیں چھپاک کسی نے کیچڑ میں پتھر پھینک کر شرارت کی. کیچڑ کے بدنما داغ بڑی رازداری سے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ سیماب نے جوانی کی حدود میں قدم رکھ دیا. مکروہ اور گندہ عمل بڑھتا ہی جا رہا تھا. وہ خوف زدہ رہتی نہ تو وہ کسی سے کچھ کہہ سکتی تھی اور نہ ہی اب مزید برداشت...... افففففف! خدایا کیا کوئی راستہء نجات نہیں. ماں باپ کے سامنے اسکی نظریں سرمشار رہتیں اسکی خاموشی اور اکیلا پن دیکھ کر سب اسکی سنجیدہ طبیعت اخذ کرتے کبھی کسی نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اسکی افسردگی کے پیچھے آخر وجہ کیا ہے. بہت لمبا عرصہ ایسا لگتا تھا جیسے اسے کالے پانی کی سزا ملی ہو پھر ایسا ہوا کہ اچانک شہزاد صاحب شدید بیمار پڑ گئے. تب اسکی جان میں جان آئی. پتہ نہیں یہ آزادی کتنے دن کی تھی. ???? پھر اس نے کثرت سے نماز شروع کر دی وہ گھنٹوں سجدے میں گری رہتی رو کر گڑگڑا کر دعائیں مانگتی شاید میرا رب اسے معاف کر دے اس گناہ کے لیئے جس میں اسکی منشاء شامل نہ تھی. انہی دنوں اس نے تمام ایسے ملبوسات کو بھی آگ لگا دی جو کہیں سے بھی عریانیت کا شکار تھے. دھیرے دھیرے اس نے محسوس کیا کہ گھر کے ان نوکروں کی جنگلی آنکھیں اس پر گڑی رہتیں تھیں میں بھی اسکے لیئے احترام آگیا تھا

یہ ایک خوش آئند بات تھی اب وہ طبیعت میں بے چینی کے بجائے سکون اور اطمینان محسوس کرتی پر شہزاد کا خیال آتے ہی بے چین ہو جاتی کبھی سوچتی جا کے دیکھو تو سہی وہ کیسے ہیں. اور کبھی خود کو اس خیال پر ڈھیروں صلواتیں سناتی. انہی دنوں اسے ایک شادی میں وہ بھوری آنکھوں والا روحیل ملا. اسکی طرف سے اس نے اپنے لیئے بڑھتی ہوئی پسندیدگی محسوس کی پر شاید اسکے پاس اسکے لیئے کوئی جواب باقی نہیں بچا تھا. مگر وہ بھی ضدی تھا اسکے ایٹیٹیوٹ دکھانے کے باوجود وہ اپنے گھر والوں کو رشتہ مانگنے کے لیئے سیماب کے گھر لے ہی آیا. اور یہی نہیں وہ لوگ فیصل صاحب کے خاص جان پہچان والے لوگ نکلے بس پھر کیا تھا کہیں سے بھی انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی. چٹ پٹ والی شادی تھی گویا. وہ دن اور آج کا دن گھر میں شادی کے گیت بجنا شروع ہو چکے تھے. اور ڈھولک کی تھاپ اسکے سر پر جیسے ہتھوڑے برسا رہی تھی. اگر سب کو میرا سچ پتہ چل گیا..... نہیں... نہیں یہ خیال ہی اسکے لیئے سوہان روح تھا.

کٹی پتنگ . . . آخری قسط

سیماب کو یوں لگا جیسے گھپ اندھیاری میں بہت سارے پاگل کتوں نے اسے گھیر لیا ہو اور اسکی بوٹی بوٹی نوچنے کے لیئے جیسے بے چین ہو رہے ہوں. پھر جیسے وہ ایک اونچے بانس پر جا کھڑی ہوئی. سب کی نظریں تعجب سے اسے دیکھ رہیں تھیں. انوکھا کرتب دکھانے والی تماشہ. اسکے اندر عجیب سا سناٹا پھیل رہا تھا. اس کو اپنا بدن ایک ایسی خالی زمین کی طرح لگا جس پر لاکھوں کی تعداد میں چیونٹیاں رینگ رہیں ہوں. وہ پھر سے سجدے میں گر گئی. یہی وہ لمحہ ہوتا تھا جب وہ قدرے سکون محسوس کرتی.

ایکشن ری پلے. پھر جیسے اسکی نظروں کے سامنے سب دوبارہ سے چلنے لگا. لیکن اس دفعہ اسکے وجود میں زہر نہیں گھلا. آگہی کے نئے دروازے کھلنے لگے. وہ ایک لمحہ جیسے ایک چمکتی گرجتی پوری سچائی کے ساتھ نازل ہوا. اب ٹوٹے آئینہ میں بھی اسکا چہرہ پر سکون دکھائی دے رہا تھا. سچائی چھپانا گناہ ہے اور پھر کب تک میں اپنے وجود کو جھوٹ کے انگاروں پر گھسیٹوں گی. اگر تقدیر میرے ساتھ کھیل کھیل رہی ہے تو میں بھی ایک کھلاڑی کی طرح اسکا بھرپور سامنا کروں گی. وہ دھیرے سے اٹھی اور تپائی سے کاغذ اور پینسل اٹھایا. . اب اسکے ہاتھ کاغذ پر اسکی زندگی کا سب سے بڑا سچ اتار رہے تھے. اس نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا کہ

وہ روحیل کو شادی سے پہلے سب سچ بتادے گی اسکے بعد وہ جو بھی مناسب سمجھے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسکی زندگی کے اس نئے رشتے کی ابتداء جھوٹ سے ہو. خط مکمل کرکے اس نے تکیئے کے نیچے چھپا دیا تاکہ جیسے ہی موقع لگے وہ یہ خط کسی طرح روحیل تک پہنچادے. دفعتا دروازہ کھلنے کی آواز آئی وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی.. پتہ چہرہ کیسا دکھ رہا ہو. اس نے جلدی جلدی پانی کے چھینٹے چہرے پر مار کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی. دوسری طرف ثمینہ بیگم اسکے والد کے ہمراہ کھڑیں تھیں. جلدی چلو بیٹا ابھی سب مصروف ہیں کسی کا دھیان نہیں اس طرف. کہاں....؟؟؟ ماں.. سیماب بولی.

بیٹا ہم نے کہا تھا نا کہ آپکو شہزاد صاحب سے ملوانا ہے. وہ یہاں نہیں آ سکتے تو ہمیں ہی انکے پاس جانا ہوگا..... بابا کی بات سنکر سیماب تھوڑی بگڑی اب ایسا بھی کیا ہے جو ... وہ خود نہیں آ سکتے

... تم چلو ہر بات کا جواب وہیں مل جائے گا. ثمینہ بیگم بولیں

....اوکے چلیں. سیماب نہ سمجھ آنے والی بات پر سر ہلاتے ہوئے بولی

اب وہ تینوں انیکسی کی سیڑھی چڑھ رہے تھے. اس گھر کی دیواروں کو دیکھ کر سیماب کو خود پر ہونے والا بھیانک ظلم یاد آنے لگا. ایک انجانا سا خوف اسکی ہڈیوں میں سرایت کرگیا جیسے.....

کمرے کا دروازہ جیسے ہی اندر کی طرف دھکیلا تو کمرے میں ایک وجود گٹھڑی کی صورت سمٹا ہوا تھا وہ اندر داخل ہوئی اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگی

اچانک ہی وہ وجود دھیرے سے اٹھا اور اسکے پاؤں سے لپٹ گیا. معاف کردو معاف کردو
میری بچی میں ہوس میں اندھا ہو گیا تھا. میری
آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی بندھ گئی تھی دیکھو قدرت نے مجھ سے کیسا انتقام لءلیا ہے
شہزاد نے للجاتے ہوئے جیسے اس کے سامنے اپنے جڑے ہاتھ پھیلا دیئے. انکا پورا وجود
کوڑھ کی بیماری کا شکار ہو چکا تھا ایک عجیب سی کراہیت کا احساس. اور مبادا یہ کہ اب انکی
بیماری بگڑ چکی تھی. ڈاکٹروں نے خاموشی اختیار کرلی تھی. وہ ایسا وجود لے کر جینا نہیں
چاہتے تھے رہ رہ کر انکو یہی خیال ستا رہا تھا کہ یہ سب انکے جرم کی سزا ہے جو رب
العالمین نے تجویز کی ہے. وہ گئے دنوں کا ازالہ تو نہیں کر سکتے تھے. پر معافی مانگنا تو انکے
اختیار میں تھا. شاید میں اس سے بھی بری سزا کا حقدار ہوں. میں تمہاری وہ معصومیت
اور پاکیزگی تو نہیں لوٹا سکتا جو مجھ جیسے درندے کی بھینٹ چڑھ گئی. پر تم معاف کردو گی
.تو کم سے کم موت تو سکون سے آئے گی

سیماب یک دم پیچھے ہٹ گئی. اسکی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا. اور آنکھیں تھیں جیسے دریا کا
باندھ ٹوٹ گیا ہو. اس نے پیچھے مڑ کر اپنے ماں باپ پر اک نگاہ ڈالی وہ دونوں تو جیسے
سکتے کی کیفیت میں کھڑے ہوئے تھے پھر جیسے اچانک ایک باپ کی غیرت اور حمیت
جاگ اٹھی. بے غیرت انسان میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ
تو اتنا گر جائے گا. کس منہ سے سیماب کو بیٹی کہہ

رہا ہے

ثمینہ بیگم کے تو جیسے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے. میری بچی جانے کب سے یہ اذیت چپ چاپ سہہ رہی تھی. اور ہم یہ سمجھتے رہے کہ وہ طبیعت کی سنجیدہ ہے اسلیئے سب سے گھل مل نہیں پاتی. اوہ! !! میرے خدا. سچ کمرے میں موجود چاروں انسانوں کو جھنجھوڑ رہا تھا اپنی پوری قوت سے. اتنے میں پیچھے سے کسی کے قدموں کی آواز آئی.

کون ہے وہاں غصے سے کیئے استفسار پر ننھا منیب ڈر گیا وہ اسکی پھوپھو کا بیٹا تھا. مین تو بس یہ کہنے آیا تھا کہ سیماب آپی نے جو خط روحیل بھائی کو پہچانے کے لیئے دیا تھا وہ انکو مل گیا ہے اور......او....اور وہ نیچے روم میں.

یہ سننا تھا سیماب اکیلی ہی بھاگ کھڑی ہوئی. دھڑ دھڑ سیڑھیاں جیسے اتر نہ رہی ہو توڑ تی جا رہی ہو.

وہ یہاں انے سے پہلے خط منیب کے ہاتھ روانہ کر چکی تھی. شادی کے گھر میں جب روحیل کے لیے ایک پیغام آیا تو سب نے ہی اسے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھا او ہو د لہن دولہے سے تو صبر ہی نہیں ہو رہا شادی میں ایک دن بچا ہے اور پھر بھی خطوط کا سلسلہ چل رہا ہے. روحیل کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ گہری ہو گئی. وہ کوئی جواب دیئے بنا اپنے کمرے میں چلا آیا آخر ایسا بھی کیا لکھا ہے میری ہونے والی مسسز نے. ذرا دیکھوں تو

آرام سے تکیئے سے ٹیک لگا کر اس نے خط کھولا. ویسے تو کچھ بولتی نہیں آج خط. کھڑکی سے سیماب ولا صاف نظر آ رہا تھا. اس نے دل ہی دل کچھ سوچا. پر جیسے جیسے وہ خط پڑھتا گیا اسکے ماتھے کی لکیریں گہریں ہوتی گیئں. افففففففف تو یہ بات تھی. وہ ایک دم ہی اٹھا .....اور جیسے سیماب ولا کی طرف دوڑ لگا دی

تھوڑی دیر ہی میں سیماب اور وہ آمنے سامنے تھے. ثمینہ بیگم نے روحیل کو سمجھانے کی .... کوشش کی بیٹا اپ بیٹھو سکون سے ہم بات کرتے ہیں

...نہیں آنٹی مجھے صرف سیماب سے کچھ کہنا ہے

ڈھولک پر ابھی بھی تھاپ پڑ رہی تھی. سب مہمان اس اندر ہونے والی گڑبڑ سے انجان تھے. ..... سیماب مجھے تم سے بات کرنی ہے یہ خط تم نے لکھا ہے مجھے کیا واقعی سچ ہے یہ سب بولو سیماب اس نے سیماب کے کندھے پوری قوت سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیئے جواب میں سیماب ایک کھلی ہوئی گٹھڑی کی طرح فرش پر بکھر گئی اب مزید کچھ کہنے کی سکت ہی کہاں تھی وہ تو بس بے تاثر کھلی آنکھوں سے اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر ..... تھی ...روحیل تڑپ رہا تھا. بول بول کر تھک گیا تھا پر سیماب چپ تھی

سیماب بہت زیادہ پیار کرتا ہوں تم سے یہ اور بات ہے کہ کبھی میری تربیت نے مجھے اسکے اظہار کی اجازت نہیں دی کہ اتنا سب کچھ سہنے کے بعد بھی میں اسکا تم سے بدلہ لوں گا اور چھوڑ دوں گا. نہیں سیماب میں ان لوگوں میں سے نہیں

ہوں جو جھوٹی شرافت کا ڈھول پیٹتے ہیں. میں تمہیں وہی عزت بھری زندگی دوں گا جسکی تم حقدار ہو.

.....

یہی تو ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ ہے.برائی پر بند تو نہیں باندھا جاتا بلکہ اور اسے بڑھاوا دیا جاتا ہے اور ہانی سر سے اونچا ہو جائے تو فرد جرم بھی عائد کردی جاتی ہے وہ بھی اس پر جو سرے سے قصور وار نہیں ہوتا.....

تم نے مجھ سے کہا تو ہوتا.... خیر ابھی بھی دیر نہیں ہوئی. یہ بات اب یہیں ختم تم نے مجھ پر اپنا بھروسہ اور یقیں دکھایا ہے تو میں بھی خود کو اس کا اہل ثابت کروں گا... اسکی آنکھوں میں جھلملاتے جگنو دیکھ کر سیماب کو اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا..... اوہ میرے مالک!!! سچ ہے جو تیرے در آیا وہ کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا مجھے تو جیسے ساری کائنات ہی دے دی.... اور جیسے شاید پہلی بار اتنے سالوں کے بعد وہ مسکرائی ...

ہر طرف جیسے پھول ہی پھول کھل اٹھے. اسکی سیاہ بھونرے جیسی آنکھوں میں پھر سے زندگی کی چمک لوٹ آئی.... ثمینہ اور انکے شوہر اللہ تبارک کا دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگے.....

اور ہاں میں جا رہا ہوں. پر آؤں گا لوٹ کر بہت جلد اپنی دلہن کو لینے

.....اسکی یہ فلمی ڈائیلاگ سن کر کمرے میں موجود سب لوگ ہنس پڑے

سیماب کی زندگی تو سنور گئی. پر نہ جانے ایسی کتنی لڑکیاں کم عمری میں روز درندگی کا شکار بنتی ہیں بہت سی تو زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں؟ ....خدارا ان معصوم کلیوں کی حفاظت کیجئے. انہیں بری اور ہوس ناک نظروں سے بچایئے.

.....یاد رکھیئے اوپر والے کے انصاف سے کوئی نہیں بچ سکتا

.....اور انسانیت کے ایسے درندے تو ہر گز نہیں

آزادیء نسواں ایک فریب یا حقیقت (تیسرا حصہ)

عورت کے لیے حجاب کا حکم قرآن میں آیا. اسکی مفصل تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بیان ہے اور اسکا عملی مظاہرہ ازواج مطہرات اور صحابیات کی عملا زندگی میں ملتا ہے.. مگر ہوتا تو یہ ہے اکثر اس پر بھی کئی اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں جیسے جی یہ تو پرانے وقتوں کی بات تھی آج کل کی زندگی میں اسکا عملا نفاذ ممکن نہیں. یا وہ لوگ گویا آسمانی مخلوق تھے نعوذ باللہ ہم سے ایسا کرنا ممکن نہیں ہوگا آج کل کی زندگی بہت مصروف ہے اور یہ سب پابندیاں.برداشت نہیں کر سکتی. پہلے شاید انکے پاس اور کوئی کام نہیں ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ... یہ یقیننا ذہنی جاہلانہ سوچ کی نمائندگی کرتی ہے. لاکھ آپ پڑھے لکھے ہوں جب تک اخلاقی اور ذہنی پسماندگی سے نجات حاصل نہیں کریں گے. آپ کبھی بھی ایک ترقی یافتہ ملک کے باشندے نہیں کہلائیں گے.

اور رہا ان اعتراضات کا جواب تو ایسے یا اس سے کہیں زیادہ اعتراضات اور مخالفت جا سامنا ہمارے نبی اور انکے رفقاء سامنا کرتے آئیں ہیں. اور یہ بات تو تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ انکی زندگی آپکی اس جدید الیکٹرانک اور سہل زندگی سے بہت زیادہ مشکل اور مصائب سے بھرپور تھی تو جب وہ ان سب کے باوجود

حکم الٰہی پر کاربند رہ سکتے ہیں تو جی آپ کیوں نہیں۔۔شاید آزمائش اسی کا نام ہے۔ اور اللہ تبارک نے جنت جیسا بیش بہا انعام ایسے ہی تو نہیں رکھ دیا

اک حقیقت ہے بس وہ باقی فانی ہے جہاں
رضا مقصود ہے تو کردار میں مومن ہو جا

حیاء غزل

اہل مغرب کا پروپیگنڈا کہ عورتوں کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں بڑا ظالمانہ سلوک روا رکھا جارہا ہے۔انکو گھروں سے نکلنے کی آزادی نہیں۔انکے چہرے پر نقاب ڈال کر انھیں کارٹون بنا دیا گیا ہے۔یہ مسلمان پسماندہ قوم ہیں۔رجعت پسند،دقیانوس ہیں۔انہوں نے عام آدمی کو زندگی کی راحتوں سے محروم کردیا ہے۔اگر آپ ان طعنوں سے مرعوب ہو کر انکی رائج کردہ اصولوں کو اپنی زندگی میں شامل بھی کرلیں گے تب بھی آپ انکے لیے تیسرے درجے کے ہی شہری رہیں گے۔اور دنیائے اسلام سے انکی صدیوں سے چلتی مخالفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہی قوم ہے جو اپنی روایات اور اپنے دین کے نفاذ کے لیے عملا جاگ گئی تو پوری دنیا میں سپر پاورز کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔آج بھی ایک بہترین ماڈل جمہوری حکومت کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے وہ آج سے کئی سو سال پہلے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حق تعالی نے پیش

کردیا تھا. اور یہ بات تو روز اول سے سب پر عیاں کردی گئی کہ خواتین رشتے دار، عمر رسیدہ حضرات جن میں والدین بھی شامل ہیں. اساتذہ بچے، نادار، یتیم، مساکین غرض ایسی لمبی فہرست ہے جن سے بہترین حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے بلکہ انھیں حقوق العباد کا درجہ دیا گیا ہے اور قیامت کے دن پہلا سوال بھی اسی کے بارے میں ہوگا. آپ اپنی زندگی میں بہت پرہیزگار ہوں پر حقوق العباد کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کرتے ہوں تو یقین جانیے اپکی عبادات آپکو اپنے احتساب سے بلکل نہیں بچا سکتیں.

قرآن کریم میں سورت المطففین کی آیت نمبر: ۳۴ مین اللہ تبارک نے یہی بیان فرمایا ہے کہ یہ کفار مسلمانوں کے ساتھ دنیا میں تو یہ معاملہ کرتے ہیں کہ انکو دیکھ کر انکی ہنسی مذاق اڑاتے ہین اور جب انکے پاس سے کوئ مسلمان گذرتا ہے تو یہ لوگ ایک دوسرے کو اشارہ کرتے ہیں کہ دیکھو مسلمان جا رہا ہے.

لیکن جب یوم حساب آئے گا تو اہل ایمان انہی کفار پر ہنس رہے ہوں گے. گر آپ خود کو مسلمان کہتے ہو ایک اللہ پر یقین اور ایمان رکھتے ہو تو یقین رکھو کہ یہ سب بجز چند دن کے تماشے کے کچھ نہیں ان سے مرعوب ہو کر یا ڈر کر اپنی آخرت کی فلاح و بہبود کا راستہ نہیں چھوڑو. صراط مستقیم پر کاربند رہنا آسان

نہیں پر جس نے یہ راستہ پکڑ لیا اس پر اللہ دونوں جہان کی نعمتوں کا حصول ممکن کر دیتا
.ہے. یہ اور بات ہے. جو اسکا ہو گیا پھر اسکے آگے یہ سب غیر اہم ہو جاتا ہے
.مغرب کو یہ تصور اپنے معاشرے میں رائج کرنے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی
اگر یہ بات ہم خود انکے ناقدین کی رائے کی شکل میں پیش کریں تو شاید آپ زیادہ بہتر
.طریقے سے سمجھ سکیں

پروسٹرائیکا.... سوویت یونین کے آخری صدر گورباچوف کی مشہور کتاب

پروسٹرائیکا گورباچوف کی ایک شائع شدہ مشہور کتاب ہے جو شاید انکی یونیورسٹیون میں
بھی ڈسکشن کے لیے شامل کی جاتی ہے. اس کتاب کا ایک باب ہے. جو عورتوں کے
.بارے مین ہے جس کا نام ہے

"STATUS OF WOMEN"

اس میں اس نے اپنے معاشرے کے اس رجحان کو دیکھئے کس طرح تنقید کا نشانہ بنایا ہے.
.....ملاحضہ ہو. ترجمہ

ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا،اور اسکو گھر سے نکالنے میں ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار میں بھی اضافہ ہوا،اسلیئے کہ مرد بھی کام کر رہے تھے اور عورتیں بھی کام کر رہیں تھیں. لیکن پیداوار کے زیادہ ہونے کے باوجود اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوگیا،اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہونے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں،وہ نقصانات ان فوائد سے ،زیادہ ہیں جو پروڈکشن کے اضافہ کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے

لہٰذا! میں اپنے ملک میں "پرو سڑائیکا"کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں.اس میں میرا ایک بہت بنیادی مقصد یہ ہء کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے،اسکو واپس گھر کیسے لایا جائے،اسکے طریقے سوچنے پڑین گے،ورنہ ہمارا جسطرح فیملی سسٹم تباہ "ہوچکا ہے،اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ ہوجائے گی

بشکریہ جنس،جوانی،اسلاماور جدید سائنس...المعروف حکیم محمد طارق)

بچے کی پہلی تربیت گاہ اسکا گھر اور اسکی ماں کی گود کو قرار دیا جاتا ہے. لیکن جدید تصور نے بچے سے یہ تربیت گاہ چھین کر اسے چائلد کیئر اداروں

کے نئے رجحان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے. باپ کہین اور ماں کہیں اور کام کر رہے ہوتے ہین ایسی رابطے کمزور پڑ رہے ہیں. بعض اوقات گھر کی اندرونی رنجشیں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ نوبت رشتوں کے اختتام تک پہنچ جاتی ہے کیا اس صورت مین اپ اس بچے سے توقع کرین گے کہ وہ معاشرے کا ایک باصلاحیت اور ذمہ دار رکن بنکر سامنے آئے.

شاید بنظر غائر دیکھا جائے. تو معاشرے کی بڑھتی ہوئی اخلاقی گراوٹ کا ایک سب یہ بھی ہے. معاشرہ تیزی سے تباہی کی طرف جارہا ہے. ہم جنس پرستی، بچوں کے جنسیانہ فعل، عورتوں کے بد جنسی فعل پیسے کما. ے کی دوڑ میں شامل ہو کر ہر ناجائز راستہ اختیار کرنا، حلال و حرام کی تمیز کھو دینا، معاشرتی روابط کا فقدان، آئے دن قتل و غارت گری کی بڑھتی ہوئی روش اس بات کی طرف اشارہ ہے. کہ تربیت گاہ جو ازل سے ایک بچے کا حق ہے خدا تعالی کی طرف سے وہ چھین لی گئی ہے. اب اسکا نتیجہ معاشرے کے بگاڑ کی صورت میں سامنے ارہا ہے... اج کا سب سے نفع بخش کاروبار بھی یہی ہے جس میں عورت اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو ایسی پروڈکٹ کے لیئے نیلام کرتی ہے تصاویر کی صورت میں جس سے اسکا مطلق تعلق بھی نہین ہوتا... جی ہاں عرف عام میں اسے ایک باعزت پیشہ یعنی ماڈلنگ کے نام کے ساتھ قرار دیا جاتا ہے. وہ ایک فوٹو شوٹ کے ذریعے اتنا کما لیتی ہے جتنا آپ سال بھر محنت کرکے بھی نہیں کما سکتے. یہ جسم فروشی کی ایک جدید شکل ہے. جسے

ایک باعزت پیشہ سمجھ کر ہماری بہنیں بہت خوشی سے اپناتی ہیں. درحقیقت عورت ایک بکاؤ مال بن چکی ہے.

اور اس نے اپنی حقیقی عزت اوف قدر و منزلت کھو دی ہے.

میں یہ نہیں کہتی کہ عورتوں کو بالکل گھر میں بٹھا دو یا انکے گھر سے باہر نکل کر معاشی جدوجہد کرنا گناہ ہے. یقیننا آج کل کے معاشی حالات نے خواتین کو کافی حد تک مجبور کر دیا ہے کہ انکے پاس اسکے سوا دوسرا کوئی چارہ ہی نہین. مگر اسکے لیئے اگر اپ اپنے مذہب اسلام کا تفصیلی مطالعہ کریں تو اپ کو ان اخلاقی اصول اور ضوابط سے آگاہی ہو گی. جن پر عمل کرکے آپ اپنے گھر کو بھی احسن طریقے سے چلا سکتی ہیں. اور معاشرے کی ان خرابیوں سے بھی بہتر طور ہر بچ سکتیں ہیں. یاد رکھیے جتنا ان معاملات کو ہمارے دین میں سہل کیا گیا ہے وہ کسی اور دین یا معاشرے میں نہیں. ہم وقتا فوقتا مختلف موضوعات کے ذریعے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے رہیں گے.

جبتک کے لیئے اجازت دیجیئے.

شکریہ

حیاء غزل

آزادئ نسواں ایک فریب یا حقیقت - چوتھا حصہ

مرد اور عورت کے درمیان مصنوعی تقسیم کا راگ الاپنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ جس عورت کو مرد کے ساتھ برابری کی بنیاد پر حقوق دینے کی بات کی جارہی ہے. اس کے بنیادی حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالا جارہا ہے جو اسے مذہب اسلام نے دیے.. جنکی بدولت ایک مسلم عورت معاشرے کے لیے فعال کردار ثابت ہو سکتی ہے.

تخلیق عورت کے بعد جو سب سے پہلا رشتہ عورت کو تفویض کیا گیا..

وہ ایک بیوی کا تھا. آپ سب اس سے اچھی طرح واقف ہیں.. بحیثیت مسلمان ہم اس بات پر بلا اختلاف یقین رکھتے ہیں. بالکل حضرت آدم علیہ اسلام جب بی بی حوا سے رشتہ ء ازدواج میں منسلک ہوئے وہیں سے نسل آدم کا یا یوں کہیے بنی نوع انسان کے ایک نا ختم ہونے والے سلسلے کا آغاز ہوا قیامت تک.

اور یہیں سے عورت کے دوسرے تمام رشتوں کا آغاز ہوا.. عورت جس روپ اور حیثیت میں رہی اسے ایک قابل قدر مقام حاصل رہا. گذرتے وقت کے ساتھ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو عورت کی حیثیت بدلتے معاشرے کے ساتھ تبدیل ہوتی

رہی . . عزت اور عصمت کا تصور معاشرے سے ناپید ہوگیا. عورت کی ذہنی اور جسمانی تذلیل کی جاتی رہی. ایک وقت ایسا بھی آیا. کہ انسانوں میں وراثت کا تصور اجاگر ہونے لگا. اسے اپنی جائداد کے تحفظ کا خیال ستانے لگا. . اس دور میں شادی کے لیے ایسی خواتین کا چناؤ کیا جاتا. جو پہلے سے ماں بننے کے مرحلے سے گذر رہی ہوں. معصوم لڑکیاں راہ گذر پر کھڑے ہو کر راہ گیروں سے التجا کرتیں. تاکہ انکے گھر بس سکیں. گذرتے وقت نے انسان کی اس سوچ میں بھی بدلاؤ کی لہر دوڑائی اور دھیرے دھیرے اپنی نسل کا ہی خیال پروان چڑھنے لگا. یہ وہ دور تھے جب عورت کو صرف دل بستگی اور وقت گذاری کا سامان سمجھا جاتا تھا. تہذیبیں بدلتیں رہیں چاہے وہ سامری ہو بابلی ہو یا آشوری نہیں بدلا تو عورت کا مقام. عورت کی جنسی تذلیل، اسکو وجہء عناد بنا کر اسکا قتل عام، فتوحات کے نتیجے میں بستیوں سمیت تاراج کرنا، دیوی دیوتاؤں کے نام پر عورت کی بلی دینا یا قربانی دینا، فرعونی دور میں بھی جب دریا خشک ہوجاتا یا سیلاب کا اندیشہ ہوتا تو ایک کنواری لڑکی کا چناؤ کرکے اسے دریا برد کردیا جاتا. تاکہ وہ انکی قربانی قبول کرکے اس آسمانی آفت سے نجات دلا سکیں اللہ تعالی نے ہر دور میں اپنے انبیاء مبعوث کیے. جنکی اولیں تعلیمات میں عورت کے احترام کو بھی جگہ دی گئ. لیکن ان تعلیمات اور عقائد کو بھی چند گمراہ لوگوں نے مسخ کرنے کی کوشش کی. یہی وجہ ہے کہ آج یہودیت یا نصرانیت اور عیسائیت اپنی اصل شکل سے بالکل الگ ہے. اللہ کے دین میں بگاڑ اس بات کی طرف اشارہ تھا. کہ اب

اسکے تحفظ کا ذمیہ خود وہ زات باری اٹھائے جو پوری کائنات کی خالق ہے. یہی وجہ ہے کہ دین اسلام جس شکل میں اتارا گیا آج بھی اور تا قیامت اسی شکل میں قائم دائم رہے گا.. دین اسلام کا آغاز جس قوم سے کیا گیا اسکی تمدنی حالت کے ساتھ ساتھ اسکی اخلاقی اور سماجی حالت بھی مکمل طور پر تباہ تھی. عورتوں کی کوئی عزت نہیں تھی. زناکاری عام تھی. شراب میں بدمست ہو کر بے حیائی اور بدکاری کی انتہا تک پہنچنا انکے لیے معمول کی بات تھی. لڑکیاں پیدا ہونے پر زندہ دفن کردیں جاتیں. ایک عورت کئی بیویاں رکھ سکتا تھا. باپ کے مرنے پر سوتیلی مائیں بھی جائداد کی طرح تقسیم ہوتیں. عورتوں کو جوئے میں لگایا جاتا. بے حیائی، بے شرمی ایک ہنر سمجھی جاتی اور اپنے معاشقوں کی داستانیں مجمعوں میں فخر سے سنائیں جاتیں.. غلاموں کے ساتھ ساتھ لونڈیوں کی بھی خرید و فروخت کی جاتی. اس بات سے آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دور میں عورت کس تکلیف سے گذر رہی ہوگی.

یہ دین اسلام ہی تھا جس نے عورت کو پستیوں سے اٹھا کر عزت کی مسند پر براجمان کیا. عورایک نئے مقام اور مرتبے سے روشناس ہوئی اور عظمت کی فعتوں کو پایا.. ماں کی صورت خدمت پہ جنت جیسا انعام، بیٹی کی پرورش کرنے والے پر دوزخ کی اگ حرام کردی گئی، بیوی کی حیثیت سے اسکے حقوق اور ضروریات کو پورا کرنے پر انعام و ثواب کا اعلان. سرکار دوعال کے دور سے خلفائے راشدین، بنو

امیہ، بنو عباس یہاںتک کہ حکمران ہند کے سلسلے میں بھی ان روایات کو اپنی تہذیب کا حصہ بنایا گیا. کیا اسکی مثال کسی اور مذہب میں ممکن ہے. ہندو معاشرے میں آج بھی عورت کی جس طرح تذلیل کی جاتی ہے وہ ڈھکی چھپی بات نہیں. اگر آج کے معاشرے میں عورت کے ساتھ صحیح سلوک نہیں ہو رہا اگر اسکے ساتھ مختلف قسم کے ظلم روا رکھے جا رہے ہیں تو یقین جانیے اسکا ذمہ دار مذہب اسلام نہیں. بلکہ ہم خود ہیں ہم نے نظریاتی آزادی بھلے ہی حاصل کر لی ہو مگر ذہنی طور پر آج بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں. اپنے گردو پیش نظر دوڑایئے. کیا یہ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ نہیں. کیا ہم میں وہ تمام خرافات نہیں پیدا ہو رہیں جو ہندو معاشرے میں ایک عورت کے لیئے مشکلات کا سبب ہیں کیا ہماری بچیوں کی شادی سسرالیوں کے من پسند جہیز کے بغیر ممکن ہے؟

کیا ہم وراثت میں بہن بیٹی کا حق جائز سمجھتے ہیں؟

کیا شوہر بیوی کو اپنی جاگیر نہیں سمجھتا جس کے ساتھ وہ جب جیسا چاہے سلوک کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں؟کیا آج بھی بنا کسی قصور میری بہت سی بہنوں کو طلاق کا تحفہ نہیں دیا جاتا؟کیا ہمارے معاشرے میں بیوہ یا بانجھ عورتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟کیا عورتوں کے دوسری شادی پر یا خلع لینے پر سوال نہیں اٹھائے جاتے؟

کیا بیٹے کی پیدائش پر بیٹی سے زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا؟کیا آج بھی ہم لڑکیوں کے تعلیم حاصل کرنے کو وقت اور پیسے کا ضیاع نہیں سمجھتے؟یا انکے راستے میں اس حوالے سے مشکلات کھڑی نہیں کی جاتیں؟کیا گھر سے کسی بھی ضرورت کے تحت نکلنے والی عورت پر آوازیں کسنا چھیڑنا یا اسکا پیچھا کرنا فن نہیں سمجھا جاتا؟کیا آج بھی رسمون اور روایات کے نام پر عورت کو قربان نہیں کیا جاتا؟کاروکاری، ونی جیسی رسمین کیا عورت کی تذلیل نہین؟کیا اکلوتی لڑکی دوسرے خاندان مین جانے نہ پائے صرف اسلیئے اسے نعوز باللہ قران پاک کے عقد میں نہین دے دیا جاتا؟کیا آج بھی لڑکیوں کو پیدائش پر مار نہیں دیا جاتا بلکہ بعض اوقات تو رحم مادر میں ہی قتل کردیا جاتا ہے.الٹرا ساؤنڈ جیسی جدید سونو گرافی کے ذریعہ معلوم کرکے. معاف کیجئے گا یہ مذہب اسلام کی تعلیمات نہیں اپنی فرسودہ روایات اور ترجیحات کو دین سے جوڑنے کا جواز نہیں ڈھونڈیئے. ہمارا مذہب امن وآشتی کا مذہب ہے جو معاشرے کےء ہر رکن کو باعزت طریقے کے ساتھ پورے حقوق دیتا ہے تاکہ وہ ایک ذمہ دار اور معزز فرد کے روپ میں سامنے آسکے. وی عورتوں کو حدود مین رہتے ہوئے انکے تمام معاملات میں سب سے بہتر حقوق اور اصلاحات دیتا ہے. چاہے وہ زندگی کے ساتھی کا چناؤ ہو. یا تعلیم کا بنیادی حق. چاہے گھر سے نکلنے کے مسائل کا بیان ہو یا انکے ملبوسات سے متعلق حکام، پیدائش سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک وہ ہر جگہ عورت کو

برابری کی بنیاد پوری آزادی دیتا ہے ویسی نہیں جیسی آج کل ہمارے تصور میں ہے. اور اسکا اصل مقصد یہی ہے کہ عورت کو تحفظ دیا جائے جسکی وہ مستحق ہے.

انشاء اللہ ہم عورت کے بناؤ سنگھار اور حجاب کے حوالے اسلامی احکام کا جائزہ لیں گے آئندہ آرٹیکل میں. ہوسکے تو روز جلدان سے قرآن پاک نکال کر تلاوت کرکے لپیٹ کے رکھنے کے بجائے اسکا ترجمہ کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کرکے تفصیلی مطالعہ کریں. مختلف مسالک کے زیر اثر یا علماء کرام کی اندھی تقلید کے بجائے خود کو سوچنے کا موقع دیں. میں یہ نہیں کہتی کہ وہ غلط ہیں یا غلط ہو سکتے ہیں بلاشبہ انکے آپ سے زیادہ علم ہے. مگر کوشش تو کیجئے یہ جاننے کی کہ جو آپ سے کہا جارہا ہے یا جو سمجھایا جارہا ہے اسکی وجہ اصل کیا ہے؟ آپکو اسکی تعلیمات کیوں دی جارہی ہیں؟ ہمارے مذہب میں تاریخ میں کئی جگہ مناظروں کی مثالیں ملتی ہیں جن میں مختلف مکاتب فکر اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے علماء کو دعوت دی گئی؟

ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کا جواب ڈھونڈنا گناہ عظیم نہیں اور نہ ہی یہ شرک کے زمرے میں اتا ہے؟ یہ صرف چند لوگوں کی ہیدا کردہ سوچ ہے؟ جب اپ مکمل طور پر ذہنی اور دلی طور پر مطمئن ہوں گے تبھی تو پورے دل کے ساتھ اس ذات

باری کے آگے جھکیں گے اندھی تقلید کیوں یا سجدوں میں سر پٹکنے کا کیا فائدہ جس نے جو کہا اسکے پیچھے چل دیئے معذور لوگ بھی اپنے حواس خمسہ سے مدد لیتے ہیں اپ تو ایک ماشاء اللہ باصلاحیت اور جسمانی اعتبار سے مضبوط انسان ہیں. کچھ نہیں تو قرآن پاک کی ترجمے کے ساتھ روزتلاوت کریں بہت آسان الفاظ میں ہدایات ہیں ہر معاملے سے مطابق راستہ چننا آپکا کام ہے اور ہدایت دینا اس ذات باری کے ہاتھ. تو مہربانی کرکے اپنے دین کا غلط تصور دنیا کے آگے پیش کرنے کے بجائے اسکی صحیح رہنمائی کا بندوبست کیجئے اپنے لیئے بھی اور دوسروں کے لیئے بھی. تعلیم کا حصول شرط ہے. قوم کی فلاح و بہبود کے لیئے بھی اور ایک جاندار اور فعال معاشرے کے لیے بھی.

اجازت آئندہ عورتوں کے حجاب و سنگھار سے متعلق مسائل لے کر حاضر ہوں گے

شکریہ

آزادیِ نسواں ایک خواب یا حقیقت - پانچواں حصہ

جیسا کہ ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا. کہ ہم وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات کے حوالے سے اس مدعا پر بحث کریں گے اور جو بھی معلومات ہمیں اس بارے میں ہیں وہ آپ سے شیئر کریں گے. تو آج آپکے سامنے ہم حجاب کی ضرورت اور اسکی اہمیت کے حوالے سے بات کریں گے. اور حجاب کے متعلق احکامات کا بھی سرسری جائزہ لیں گے.

اس ضمن میں سب سے پہلے ہم ایک حدیث پیش کرنا چاہیں گے.

یہ حدیث مولانا جلیل احسن ندوی کی کتاب زاد راہ مجموعہ ء احادیث میں بیان کی گئی ہے. جو اسلامک پبلشرز کے زیر اہتمام شائع کردہ کتاب ہے.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ جو خود بھی ایک جلیل القدر صحابی تھے رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں. کہ "آپ نے فرمایا. . ابن آدم کے لیئے اسکا حصہء زنا طے شدہ ہے جسے وہ ضرور پائے گا،

شہوت کی نظر سے دیکھنا آنکھوں کی زنا ہے،

شہوانی باتیں سننا کانوں کی زنا ہے،

اس موضوع پر گفتگو کرنا زبان کی زنا ہے،

، پکڑنا ہاتھ کی زنا ہے
، اسکے لیئے چل کر جانا پیروں کی زنا ہے
، خواہش اور تمنا دل کی زنا ہے
"اور شرمگاہ یا تو عملا زنا کر گذرے گی یا رک رہے گی
اسکے علاوہ ابو داؤد اور مسلم میں بھی ایک روایت میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے کہ
اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں، انکا زنا پکڑنا ہے، دونوں پیر زنا کرتے ہیں اور انکا زنا "
"چلنا ہے، اور بوسہ لینا منہ کا زنا ہے
یہ احادیث بہت اہمیت کی حامل ہیں. اس میں بنیادی طور پر یہی بات واضح کی گئی ہے کہ آدمی بہتر تو یہی ہے کہ دل میں برے خیالات کی پرورش نہ کرے کیونکہ دل انسانی اعضاء میں ایک حکمران کی حیثیت رکھتا ہے اگر کوئی برا خیال دل میں آئے اور آدمی اسکو پالتا رہے تو پھر گناہ کرنے سے اسے کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ جب دل ایسے کسی خیال کی پرورش کرے گا تو تمام اعضاء اسکی خواہش کو پورا کرنے میں لگ جائیں گے. اسلیئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اگر کوئی برا خیال آئے تو اسکو بزور ہٹانے کی کوشش کرنی چاہیئے.
اس کے ظاہری مطلب سے مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں. کہ زنا سے اب کیسے بچا

جاسکتا ہے اسکا حصہ تو ہر آدمی کی تقدیر میں لکھ دیا گیا اور بھلا تقدیر کا لکھا بھی کوئی مٹا سکا ہے. بلکہ مسلہ یہ بیان ہورہا ہے کہ اگر آدمی اپنی صیح تربیت ایمانی کرے تو زنا اور دوسرے جرائم سے خود کو بچا سکتا ہے

اور ایک بات اور واضح ہے وہ یہ کہ زنا کے یہ مقدمات بھی زنا کے ہی زمرے میں آتے ہیں اسلیئے کسی عورت پر شہوانی نظر ڈالنے سے، شہوانی گفتگو کرنے اور سننے سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے. اگر ان باتوں سے بچا جائے تو برائی کے آخری نقطے تک نہیں جائے گا. یہ بات بھی قابل غور ہے کہ برے خیالات بھی دل میں پالنے پر مواخذہ ہوگا-

ذرا آس پاس نگاہ تو ڈالیئے اس حدیث کی روشنی میں آپ کو بہت سے سوالات کے جوابات خود مل جائیں گے. یہ باتیں ہمارے معاشرے میں عام ہوگئیں ہیں بہت سی جگہ تو انہیں محفل کے آداب کا بھی درجہ حاصل ہے. آج کل ملتے اور رخصت ہوتے وقت مرد وعورت کی تمیز کیئے بغیر الوداعی بوسہ دینا بھی اس میں شامل ہے. اور کسی حد تک اس حدیث مبارکہ نے پردے کی ضرورت اور اہمیت کو بھی واضح کردیا ہے. زنا بہرحال ایک خطرناک گناہ کبیرہ ہے. اور اس سے بچنا ہر مسلمان مرد وعورت کی اولیں ذمہ داری ہے. جیسے مردوں کے لیئے اپنی نظر نیچے کرنے اور بھی دوسرے احکام ہیں اس سلسلے میں ایسے ہی عورتوں کے لیئے بھی پردے کی شرائط مختلف صورتوں میں عائد کی گئیں ہیں. تاکہ وہ دست دراندازی سے بچ سکے اور اسکے لیئے

اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت قدرے آسان ہو. درست معلومات کا فقدان الجھنیں پیدا کرتا ہے. یہی بات ہے کہ میری بہت سی بہنیں پردے کی ضرورت کو ایک دقیانوسی اور زبردستی مسلط کی جانے والی روایت قرار دیتی ہیں جبکہ دیکھا جائے تو یہ انکے تحفظ کے لیئے ہی ہے اور اسلامی معاشرے کا اصل حسن بھی

روشن خیال ہونا کوئی برائی نہیں مگر اتنی حد تک کہ اپنی اسلامی اقدار سے ہاتھ دھو بیٹھو تو مناسب نہیں یاد رکھیئے جو قومیں اپنی تہذیب اور روایات چھوڑ کر دوسروں کی اقدار اپنانے کی کوشش کرتی ہین انکا اپنا وجود تاریخ کے صفحات سے مٹ جاتا ہے.

پردہ مسلمان عورت کا قلعہ اور حصار ہے. عورت جب تک پردے میں رہتی ہے محفوظ اور پرسکون رہتی ہے اسلام میں پردے کے احکام ہر طرح کی افراط اور تفریط سے پاک ہیں-

فواحش بدکاری، زنا اور اسکے مقدمات دنیا کی ان مہلک بیماریوں میں سے ہیں جنھوں نے پوری کی پوری قومیں برباد کر دیناور دنیا میں قتل و غارت کے اکثر واقعات کے پیچھے بھی یہی وجہ کارفرما ہے یہی وجہ ہے کہ عورت کو اکثر معاشرے کے لیئے ایک فتنہ کا درجہ بھی دیا جاتا ہے.. جبکہ اسکے پیچھے ہماری اپنی

معاشرتی کمزوریاں کارفرما ہین. یورپین اقوام نے اپنی مزہبی روایات اور اقدار کو یکسر بدل کے زنا کو جرائم کی فہرست سے نکال دیا اور تمدن معاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا جس ہر قدم پر فحاشی عام ہو مگر اسطرح وہ اسکے ثمرات سے محفوظ نہیں رہ سکے. اسکے برخلاف اسلام نے ان چیزوں کو انسانیت کے جرم اور مضر قرار دیا ہے. اگر کوئ عمل ایسا ہو جس سے معاشی فوائد کم اور فساد زیادہ پیدا ہو رہے ہوں تو اسکو نافع کہنا کوئ دانشمندی کا کام نہیں.

قرآن کریم میں اس بارے مین کھلا بیان ہے کہ

"ماجعل علیکم فی الدین من حرج"

دین میں تمہارے اوپر کوئ تنگی نہیں ڈالی گئ

القرآن

پردے کا حکم شرعی ہے جس سے روگرانی اللہ کے حکم سے انکار ہے جسکی مطلق گنجائش نہیں. ترک پردہ اگر کسی علاج کے سبب ہو یا اور کسی ضرورت کے یا کسی معصوم کے ساتھ معاملہ ہو تو اس سے اسکی اصل حرمت پر کوئ اثر نہیں پڑتا یہ مسلہ اوقات اور حالات سے بھی متاثر نہیں ہوتا. دوسرے یہ کہ عورت کے لیئے گھر کی چاردیواری میں رہنے کی شرائط اتنی بھی سخت نہیں وہ اپنی ضرورت کے تحت. برقع یا لانبی چادر سے خود کو ڈھانپ کر گھر سے باہر نکل سکتی ہیں دور نبوی میں بھی عورتوں کو مسجد میں پردے کے ساتھ آنے کی اجازت دی گئ تھی. حالانکہ

ترغیب یہی تھی کہ گھر میں اسکی ادائیگی نماز زیادہ احسن ہے. مگر چونکہ اس وقت فتنہ کا خوف معدوم تھا اسلیئے اجازت مرحمت فرمائی گئی. لیکن جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالی کے دور میں حالات بدلے تو اس پعر پابندی عائد کردی گئی. حجاب کے نزول سے پہلے بھی عورتوں اور مردوں میں بے محابہ اختلاط اور بے تکلفی کا رواج شریف اور نیک خاندانوں میں نہیں تھا. دیکھیئے حضرت موسی کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیئے الگ رک کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اسکی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ باحیا عورتیں تھیں اور انھوں نے اپنی ضرورت کے پیش نظر بھی مردوں کے ہجوم میں گھسنا گوارا نہیں کیا.

اسکے علاوہ جامع ترمذی میں حضرت زینب بنت حجش رضی اللہ عنہا جنکے نکاح کے وقت حجاب کی پہلی آیت نازل ہوئی انکی نشست کی صورت بھی یہی بیان کی گئی کہ وہ اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں.

حق تعالیٰ نے عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے جو اس میں فطری اور طبعی حیا کا پردہ خود بخود پیدا کرتی ہے اور جو قومیں آج اسکے خلاف ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں ان میں بھی قدیم زمانے میں یہ صورت نہیں تھی جو آج ہے.

-پردہ کا یہ حکم جو تاحال جاری ہے ہجرت نبوی کے بعد ھ ۵ میں جاری ہوا
اور جو پہل آیت اس بارے میں نازل ہوئی جس پر علمائے کرام کا بھی اتفاق ہے وہ یہ
ہے
"لاتن خلوا ابیوت اللنبی"
یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں
.داخلہ کے وقت نازل ہوئی
آیت مذکورہ میں عورتوں کو پردہ مین رہنے کا حکم دیا گیا اور مردوں کو بھی حکم ہلا کہ اگر
.ان سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگیں
اسکے علاوہ قرآن کریم میں پردہ نسواں سے متعلق سات آیتیین نازل ہوئیں. چار سورہ
احزاب میں اور تین سورہ نور میں
شرائع کے وجود سے پہلے بھی جب جنت میں شجر ممنوعہ کھالینے کے باعث حضرت آدم و
حوا علیہ اسلام کا جنتی لباس اتر گیاتو اس وقت کی ستر کھلا رکھنے کو جائز نہیین سمجھا گیا. اور
اسکے لیئے انھوں نے جنت کے پتے سے بدن ڈھانپنے کو ترجیح دی گئی. اگر آپکا جسم صیح طور
سے ڈھکا نہیں ہے بھلے اس وقت آپ کی تنہائی میں کوئی مخل نہ ہو تب بھی نماز جائز
نہیں ایسی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے. سو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم خلوت اور
.جلوت دونوں کے لیئے ہے

شریعت اسلامیہ ایک مکمل اور جامعہ نظام ہے. جس میں انسانوں کی تمام ضروریات کو مد نظر رکھا گیا ہے تو پہلا درجہ تو قرآن و سنت کی روشنی میں یہی ہے کہ عورتیں گھر کی چار دیواری سے باہر نہ جائیں لیکن ایسا بہرحال ممکن نہیں کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی ضرورت پیش آجاتی ہے جس کے نتیجے میں گھر سے باہر نکلنا پڑے اسکے لیئے قرآن میں .پردے کا دوسرا درجہ ہے. کہ سر سے پاؤں تک خود کو لانبی چادر سے ڈھانپ کر نکلیں تیسرا درجہ یہ کہ جو بعض روایات سے مفہوم ہے کہ عورتیں جب گھروں سے نکلیں. تو وہ اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی لوگوں کے سامنے کھول سکتیں ہیں بشرط سارا بدن اچھی .طرح ڈھکا ہوا ہو

لیکن ان درجات کے متعلق علمائے کرام اور اکابریں کی رائے اور تجاویز مختلف ہیں. ان .میں مسالک کا فرق بھی آجاتا ہے

انشاء اللہ ہم اپنے اگلے آرٹیکل میں اسکا تفصیلا جائزہ لیں گے. اور ایک بار پھر یہی کہیں گے کہ ہمارا دین آسانی کا دین ہے. اور اس میں مرد و عورت کے یکساں احکام ہیں. آپ اسکے اتباع کو اپنی آزادی پر ضرب نہ سمجھیں. تاریخ گواہ

ہے کہ مسلمان عورتوں نے مردوں کے شانہ بشان ج تک میں حصہ لیا ہے. مردوں تک کو تعلیم دی ہے. اولیاء کرام کے سلسلوں میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ جیسی پاکباز عورت کا نام بھی آتا ہے .

بس کچھ مسائل ہیں کچھ احکامات ہیں پر وہ بھی اسلیئے کہ آپ اپنی حفاظت آسانی سے کر سکیں. کوئی بندش نہیں. آپکے ہر سوال ہر اعتراض کا مفصل اور مدلل جواب موجود ہے. بس رجوع کرنے کی دیر ہے .

- اجازت دیجیئے

آزادئ نسواں ایک حقیقت یا فریب- چھٹا حصہ

شرعی پردہ کے لفظ کے ساتھ ہمارے ذہنوں میں ایک ایسی عورت کا تصور آجاتا ہے جو سر سے لے کر پاؤں تک ایک کالے لبادے میں ملبوس ہو جسکے ہاتھ پاؤں یہاتک کہ آنکھیں اور ہتھیلیاں تک ڈھکی ہوئیں ہوں. اور جو خطرناک حد تک اپنے عقائد میں پختہ ہو. غیر مسلم تو سیدھا سیدھا ٹیررسٹ قرار دے دیں. خاص طور پر ہمارے یہاں کی جدید تہذیب کی دلدادہ خواتین تو بہت خوف کھاتی ہیں اس قسم کے سخت پردے سے. ہم نے پچھلے آرٹیکل میں اس پر کسی حد تک روشنی ڈالی تھی. آیئے تھوڑا اور تفصیلی جائزہ لیتے ہیں. پہلے تو یہی کہ ستر عورت اور حجاب عورت دو الگ موضوعات ہیں انھیں مدغم نہ کیجئے. ستر عورت ازل سے فرض تھی. جبکہ حجاب کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا. ستر لوگوں کے سامنے اور تنہائ میں دونوں میں فرض ہے جبکہ حجاب صرف اجنبیون کی موجودگی میں. محرم اس پابندی سے مستثنا ہیں. یہ تفصیل اسلیئے بیان کی گئ کیونکہ ان دونوں کو مدغم کردینے سے احکام قرآن اور مسائل سمجھنے مین دشواری پیش آسکتی ہے. جیسے عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت کے ذمرے مین نہیں آتا سو نماز میں انکو ڈھکنے کے بارے میں علمائے کرام کا اتفاق نہیں ملتا ہاں اجنبی مردوں کے سامنے اس پر رائے الگ ہے. اسکا

.تفصیلی جائزہ ہم تین درجات مین تقسیم کرکے لیتے ہیں

حجاب اشخاص بالبیوت (پہلا درجہ)

ورہء احزاب کی دو آیتوں میں اس پردے کا حکم آیا ہے. اور اسکی واضح تشریح اسوہ حسنہ میں نظر آتی ہے. جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ پہلی آیات نازل ہوئیں میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا. آیت کے نزول کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہی وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو الگ سے چادر میں مستور کرنے کے بجائے انکے اور دوسرے مردوں کے بیچ ایک قسم کی چادر کے ذریعے سے پردہ کرادیا تاکہ ام المومنین مرودوں کی نظروں سے الگ رہیں. اور بھی اسطرح کے کئی واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج .مطہرات کا یہ معمول ہوگیا تھا کی وہ گھروں میں رہ کر پردہ کرتیں تھیں

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اذا خرجت المراۃ استشرفھا الشیطن "

"عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسکو تاک لیتا ہے"
(قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب)
ایک اور حدیث میں ابن حبان نے یہ الفاظ نقل کیئے ہیں۔ "واقرب ما تکون من وجہ ربہا وہی فی قعر بیتہا"
.اس حدیث میں بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں
یعنی اس جیسی جتنی بھی احادیث ہین ان میں یہی حکم ہے کہ عورتیں گھروں میں رہ کر پردہ کریں اور بلا ضرورت گھروں سے باہر نہ نکلیں تاکہ وہ غیر مردوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکیں .

حجاب بالبرقع (دوسرا درجہ)

ضرورت کے مواقع پر اگر گھر سے نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت کسی لمبی چادر سے سر سے پیر تک خود کو ڈھانپ لے۔ جس سے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔ سورہء احزاب کی آیت میں اس چادر کا حکم مذکور ہے کہ جس میں ازواج مطہرات، بنات مطہرات اور عام مسلمانوں کی عورتون کو جلباب کے استعمال کا حکم دیا گیا۔ جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے لے کر پاؤں تک مستور ہو جائے .

ابن حریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا سے اسکے استعمال کی صورت نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس میں مستور ہو صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیئے کھلی ہو

یہ صورت بھی با تفاق فقہا امت جائز ہے مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت میں بھی چند پابندیاں ہیں کہ خوشبو نہ لگائی ہو. کوئی بجنے والا زیور نہ ہو. اور راستہ میں بھی مردوں کے ہجوم سے الگ ہو کر چلے.

اختلاف فقہا پردہ ء شرعی (تیسرا درجہ)

یہ کہ پورا بدن ڈھکا ہو مگر چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں.. یہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک ناجائز

لیکن شرط یہی ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو کیونکہ عورت کی زینت کا اصل مرکز اسکا چہرہ ہے ائمہ اربعہ میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے تو اسکی مطلق اجازت نہیں دی مبادا فتنہ کا خدشہ ہی نہ رہے جبکہ امام ابو حنیفہ نے اسکی قدرے اجازت دی ہے مگر فتنہ کا نہ ہونا شرط ہے. لیکن چونکہ عادتا یہ شرط پاسداری سے مفقود ہے

اسلیئے فقہ حنفیہ بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دیتی
.

ہم یہاں شمس الائمہ سرخسی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جس سے فقہ حنفیہ کا موقف قدرے واضح ہوجائے گا

"یہ چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کا جائز ہونا صرف اسی صورت میں ہے کہ جب یہ نظر شہوت سے خالی ہو اور اگر دیکھنے والا یہ جانتا ہے کہ عورت کا چہرہ دیکھنے سے برے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں. تو اسکو عورت کی کسی چیز کی طرف نگاہ کرنا حلال نہیں"

قصہ مختصر یہ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے عورت کے چہرے اور ہتھیلیاں کھولنے کو فتنہ کا درجہ قرار نہیں دیا بلکہ اس پر یہ حکم دائر کیا ہے جہاں عورت کی طرف میلان کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو وہاں قدرے جائز ہے.

مگر اس زمانے میں اسکی ضرورت شاذونادر ہی پیش آتی تھی. آج جبکہ بعض وجوہات کی بناء پر شناختی کارڈ پر بھی تصویر لازمی قرار دے دی گئی ہے. معاشی ضروریات کے پیش نظر نکلنے والی خواتیں کے لیئے بعض جگہوں پر شرعی پردہ کی اجازت نہیں ملتی تو اس صورت میں بھی یہ ضروری ہے کہ وہ بے جا آرائش کا اہتمام نہ کریں. انکا لباس انکی شخصیت کا آئینہ دار ہو اور کسی کو گناہ کی ترغیب نہ دلائے.

مگر ہوتا تو یہ ہے کہ ایسی زیادہ تو خواتیں ضرورت سے زیادہ سج دھج کر گھروں سے نکلتی ہیں بلاضرورت لباس اور چہرے کی آرائش کرتی ہیں. جو نہ صرف دوران ملازمت بلکہ راہ گیروں کو بھی اپنی جانب متوجہ کرنے کا باعث بنتی ہے. جو بعض اوقات خود انکے لیئے پریشانی کا باعث بن جاتا ہے. اور ایسی کچھ خواتین کے نتیجے میں اورد دوسری بہت سی بہنیں شک کی نگاہ سے دیکھیں جاتیں ہیں جنکے نزدیک صرف ملازمت مجبوری کے تحت کی جانے والی ضرورت ہے.

راہ آخرت کے مسافروں

اطلب قلبک فی ثلاثۃ مواطن،
عند سماع القران،
وفی مجالس الذکر،
وفی اوقات الخلوۃ،
فان لم تجدہ فی ہذہ المواطن
فسل اللہ ان یمن علیک بقلب،
فانہ لا قلب لک
(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: تم تین مواقع پر اپنے قلب کا جائزہ لو، قران سنتے وقت، ذکر کی مجلسوں میں، اور تنہائی کے اوقات میں. اگر تینوں موقعوں پر اپنے پہلو میں دل نہ پاؤ (یعنی ان چیزوں میں تمہارا دل نہ لگے اور دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو) تو اللہ سے درخواست کرو کہ وہ تمھیں ایک دل مرحمت فرمادے. اس لیئے کہ تمہارے پاس دل نہیں ہے.

موجودہ دور مین دین سے بے رغبتی عام ہوتی جا رہی ہے. ایک عام شخص اپنی بے پناہ مصروفیات مین اسقدر الجھا ہوا ہے. کہ سامان آخرت سے ہی بے پرواہ ہوتا

جارہا ہے. جبکہ دیکھا جائے تو ایک مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ یہی ہے کہ وہ اپنے اللہ کی خوشنودی کے لیئے اپنے ہادیء برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وفعل کو حرف جان بنائے اور اسکی روشنی میں اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی سنوارے. پر کیا یہ ہورہا ہے کیا ایسا ہونا ممکن ہے یا جو لوگ ہم سے پہلے ان اصولوں وضوابط پر کاربند رہے وہ کسی اور دنیا کے باشندے تھے. یا انکو وہ مشکلات پیش ہی نہین آئیں جن سے آج کا مسلمان برسرپیکار ہے. یہ وہ سوال ہین جو اکثر نوجوان کرتے نظر آتے ہین. اب اسکو انکی کم عقلی یا کم علمی نہ ٹھہرایا جائے تو کیا کیا جائے. اور اس کا ذمہ دار کون ہے. ہم خود کو مسلمان تو کہتے ہین بلکہ بہت سے میرے بہن بھائی پانچ وقت کی نماز و روزہ کی بھی پابندی کرتے ہیں. بہت سے دینی مجالس اور محافل بھی میں شریک ہوتے ہیں. پر کیا زبان سے ورد لا الہ اللہ کرنے اور دعاؤں میں چہرہ آنسوؤں سے تر کرنے سے آپکا دینی حق ادا ہوجاتا ہے. کیا عبادت کے لمحات سے پلٹ کر اصل زندگی میں آپ وہ سب طریقہ ءکار نہیں اپناتے جنھیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسند فرمایا ہے. کیا آپ حقوق العباد اسکی اصل صورت میں ہی ادا کرتے ہیں. کیا کبھی آپ نے کسی غریب کو زندگی میں ایک بار بھی دھتکارا نہیں. غرض ایک ایسی لمبی فہرست ہم رب کے حضور تو حاضر کسی اور صورت مین ہوتے ہیں اور

دنیاوی معاملات نبھاتے کسی اور صورت میں. آج کل کا بہترین مشغلہ صبح ناشتے اور گرما گرم چائے کے ساتھ یا تو اپنے کسی پسندیدہ اخبار کی شہہ سرخی پڑھنا یا اپنے من پسند ٹی وی چینل پر بریکنگ نیوز دیکھنا اور پھر فراغت میں ان پر اپنے پسندیدہ لنکرز کی گفتگو شامل کرکے حالات حاضرہ پر دلچسپ تبصرے کرنا. کیا آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کردیا. کیا آپ اپنی نسل کو اسکا علمی ودینی ورثہ صحیح طور منتقل کررہے ہیں. یہ سوال اکثر یہی جواب لائے گا کیوں نہیں ! ہم نے اپنے بچے کو سب سے اعلی دینی مدرسے میں داخل کروایا ہے اور اسکی پرورش مکمل طور پر دین کے مطابق ہی ہورہی ہے.. بہت خوب اسطرح تو آپ نے پورا حق ادا کردیا. مگر وہ اس مدرسے میں پڑھ کیا رہا ہے یہ بتا سکتے ہیں.

بھلا یہ کیا بات ہوئی اسطرح تو علماء کرام کے کردار پر آپ سوالیہ نشان لگا رہی ہیں. ؟ جی نہیں اس سے مراد ہماری یہ قطعی نہیں اور نہ ہی اپنے علماء کرام کی بصیرت پر کوئی شک اور نہ ہی انکے علم پر کوئی سوال پر یہ تو سوچیے کل کو آپکا بچہ آپکے آگے کوئی علمی اور مذہبی سوال یا مسلہ اٹھائے گا تو کیا آپ اسے مطمئن کرپائیں گے کیا آپکے پاس اتنا علم ہے جو اسکو مطمئن کرسکے. کیا آپ اسے اپنے روزمرہ معاملات میں یا چلیں اپنے گھر سے ہی کوئی مثال پیش کرسکتے ہیں. ہونا تو یہ چاہیئے کہ بچے کو ابتداء سے اسکے گھر سے

ہی بنیادی سیکھ ملے. کیونکہ اسکی پہلی تربیت گاہ اسکا گھر ہی تو ہے اور اسکے پہلے معلم خود اسکے والدین. لیکن کیا کیا جائے انکے پاس تو خود علم نہیں. بس ایک بھیڑ چال ہے جس نے جو کہہ دیا جس سے جو سن لیا اسکے پیچھے امنا وصدقنا کہتے ہوئے چل دیئے. اور جو کچھ آپکو سمجھایا گیا اسی کو اپنی زندگی کا جز بنالیا لیں جی ہوگئے آپ جنت کے دعوے دار یہی دعوے دار کہیں کسی سڑک پر اچانک وقت نماز کے وقت کافی مشکلات کا شکار ہوجاتا ہے جب اسے پتہ چلتا ہے کہ قریبی مسجد تو کسی اور مسلک کی ہے. وہاں نماز کی ادائیگی گویا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے. چلیں اس سے بہتر ہے کہ نماز قضا ہی کرلی جائے. کیونکہ رب اللعالمیں تو دلوں کے حال بہتر جانتا ہے آپ نے ارادہء نماز تو کیا .بس اسی پر آپکی بخشش پکی

ایسا کیوں ہوتا ہے جب کوئ ہمارے آگے کوئ غلط بات بیان کرتا ہے یا کوئ بے ہودہ بات جو دیں پر کی جائے تو ہم پکے مسلمان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے لڑنے مارنے پر اتر آتے ہین. خون تک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں. ہم اس انسان کی امت میں سے ہیں جسکی علمی ودینی بصیرت کی خود تاریخ گواہ ہے کیا اس نے صعوبتیں نہیں کیا پھر بھی کبھی اسکے ماتھے پر کبھی شکن آئ. کیوں اس نے کفار مکہ اور دشمنان د .اسلام کے حق میں کبھی بددعا نہیں کی. بلکہ انکے لیئے دعائے ہدایت ہی کی

اور ہمیشہ اپنے کردار و عمل سے خود کو دین اسلام اور قرآن کا عملی نمونہ پیش کیا تو کیوں ہم کسی بے ہودہ سوال علمی اور منطقی جواب دلائل سے نہیں دے سکتے. ہماری اسی کم علمی اور بصیرت کو دشمنان دین ہماری کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں. اور وہ ایسا کوئ موقع نہیں جانے دیتے جس سے مذہبی اشتعال پیدا نہ ہو خدارا اپنے ذہن کو سوچنے کا موقع دیجئے دین سے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا اپ پر بھی اسی طرح لازم ملزوم ہے

جسطرح آپ کے بچے پر اور اسکے لیے دور جانے کی ضرورت کیا ہے. اللہ نے ہدایت کے لیئے ایک بہترین ذریعہ آپکو دیا ہے. جسکی تلاوت آپ روز کسی معمول کی طرح کرتے ہیں ایک دفعہ اسے سمجھ کے پڑھیئے تو آپ پر آگہی کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے. آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ہم اپنے دین کو دوسری اقوام کے سامنے کیا بنا کر پیش کر رہے ہیں. آج ارکان اسلام خصوصا جہاد سے متعلق پوری دنیا مین جو غلط اور گمراہ کن پروپیگینڈا پیش کیا جارہا ہے اسکی وجہ کیا ہے اسکی وجہ یہ ہی ہے کہ ہم اپنی تعلیمات اور دین سے انحراف کررہے ہیں. ہم دوسروں کی تقلید اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوششون میں مصروف ہیں ڈگریوں کا حصول صرف اونچی پوسٹیں اور آسائشیں حاصل کرنے کے لیئے . ہم ایک نہ ختم ہونے والی دوڑ میں شامل ہوچکے ہیں .

مسند الفردوس لایلمی باسناد جید کی ایک حدیث جو مجموعہ احادیث راہ عمل میں مذکورہ ہے کے مطابق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب اللہ اپنے کسی بندہ کو خیر کثیر سے نوازنے کا فیصلہ فرماتا ہے. تو اسکے قلب کو واعظ بنا دیتا ہے" مطلب کہ پھر اسے کسی خارجی واعظ کی ضرورت نہیں رہتی اسکا اپنا ضمیر اتنا بیدار ہوجاتا ہے کہ شیطان کو اسے غلط راہ پر ڈالنے کا موقع ہی نہیں ملتا. خدارا کسی کا معمول بننے کے بجائے خود سے سوچنے اور سمجھنے کی عادت ڈالیئے یاد رکھیئے کہ دشمنان دین یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وہی قوم ہے جو نیل سے کاشغر تک حکومت کر چکی ہے جسکا جذبہء ایمانی بیدار ہوگیا تو اس سے بہ تو اس سے بہتر روئے زمین پر اور کوئ قوم نہیں ہوگی پوری دنیا میں پھر سے اسلام کا نفاذ ممکن ہوجائے گا؟. آج اگر امت مسلمہ جابجا اگر مسائل سے دوچار ہے تو اسکی وجہ ہمارا ایک جسم کی مانند متحد نہ ہونا ہے. وہ آج بھی پر تعیش زندگی کے لالچ دے کر کبھی ذرائع ابلاغ کے ذریعے حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں کبھی منفی پروپگینڈا کرتے ہیں صرف اسلیئے کیونکہ وہ خوفزدہ ہیں ایک سوئے ہوئے مسلمان کو وہ جاگنے کا موقع ہر گز نہیں دے سکتے اسکے لیئے وہ اپنے ہر قسم کے وسائل استعمال کرتے ہیں. اج فلسطین کشمیر عراق اور برما میانمار چیچنیا نہ جانے کہاں کہاں مسلمان اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں. وہ

اب تک کیوں کامیاب نہیں ہوئے کیا وہ اپنی جان و مال کی قربانی نہیں دے رہے. کیا یہ انکی اپنی غلطیاں ہیں نہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم ریت کی طرح بکھر گئے ہیں ہمیں پھر سے متحد ہونے کی ضرورت ہے. اور اسکے لیئے اپ کو سب کچھ ترک کرکے جہاد کے لیئے نکلنے کی ضرورت نہیں پہلے ابتداء اپنی ذات سے کیجئے اپنے گھر سے اپنے محلے سے اپنے کاروبار سے پھر دیکھیئے یہ کونے کونے کی روشنی ہمارا پورا گھر روشن کردے گی. ایسے لوگوں اور ایسے ابلاغ کا بائیکاٹ کیجے جو مذہبی اشتہا پسندی کو فروغ دیں حالیہ ہی گستاخان رسول کئی بار اسطرح کی کوششیں کرچکے ہین. لیکن محض پلے کارڈ اٹھا کر سڑکون پر مظاہرے کرنے سے ہماری اللہ اور اسکے رسول سے محبت کا حق ادا نہیں ہوجاتا. کچھ دن پہلے میری نظر سے ایک فیس بک پر بھی پیج نظر سے گذرا جو فیس بک ڈوٹ پاکی جو گن ڈوٹ کوم کے نام سے تھا مذکورہ پیج کے ڈپ پر ایک بکری کی حجاب کے ساتھ تصویر بھی ہے. یہ پیج ابھی کچھ وقت پہلے ہی بنا ہے مگر بہت تیزی سے اسکے لائکٹ میں روز بروز اضافہ ہورہاہے. مذکورہ بالا پیج پر اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حددرجہ گستاخی کی گئی ہے یہی نہیں بلکہ ہماری امہات المومنین جو ہمارے لیے بے حد عزت کا باعث ہیں انکے پاک کردار اور عزت پر بھی کیچڑ اچھالنے سے پرہیز نہیں کیا

گیا ہے بلکہ حالیہ جن گستاخ خاکوں اور کارٹونز پر مظاہرے کیے گئے انکو بھی اس پیج پر نمایاں جگہ دی گئی ہے. کیا میرے کسی مسلمان بھائی کے پاس اسکا

بہتر جواب یا حل موجود ہے کیا ہم کسی کو اتنی اجازت دے سکتے ہین کہ وہ ہمارے مذہب اور ہمارے پیشواؤں پر کیچڑ اچھالے. جبکہ دین اسلام تمام مذاہب اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو عزت دیتا آیا ہے. یاد رکھیئے صلاح الدین ایوبی کے دور میں بھی انھوں نے ہمارے اندر شامل ہو کر ہمارے خلاف سازش کی تھی. خدارا انھیں مزید موقع نہین دیجئے اور علم حاصل کیجے ایک دین ایک قرآن اور ایک نبی کی تعلیمات تلے پھر سے متحد ہوجائے تاکہ انکا خواب کبھی شرمندہء تعبیر ہی نہ ہو. ہم راہ آخرت کے مسافر ہیں دنیاوی اسباب سے ہمیں کیا سروکار صرف اپنے مالک کی خوشنودی اور جنت کی طلب سے سروکار ہے۔

بے زبان

حارث کوئی باقاعدہ کبوتر باز تو تھا نہیں شام ڈھلے جب کبوتر باز محلے کی چھتوں پر کبوتر اڑانے کا شوق پورا کرتے تو ان سفید غلوں کو دیکھ کر اس کا بھی بڑا من کرتا آخر اس کی روز کی ضد سے تنگ آ کر اسکے بابا نے اسے سفید کبوتروں کا ایک جوڑا لا کر دے ہی دیا. اسکے لیئے وہ جوڑا کسی من پسند کھلونے کی طرح ہی تھا وہ اپنی طرف سے انکا پورا خیال رکھنے کی کوشش کرتا شام کو انکے پنجرے سے نکال کر انکے پاؤں میں ایک ہلکی سی ڈوری باندھ کر انھیں اڑانے کا شوق بھی پورا کرلیتا لیکن وہ کوئی باقاعدہ کبوتر باز تو تھا نہیں اسلیئے وہ بہت سی بنیادی باتوں سے ناواقف تھا جو کبوتر پالنے کے لیئے ضروری ہوتی ہیں. یہی وجہ ہے کہ کچھ دن بعد وہ دونوں کبوتر بیمار رہنے لگے. ایک نر کبوتر تو کچھ دن پہلے ہی مر گیا جبکہ مادہ کبوتری کچھ بچے دینے کے بعد ختم ہوگئی.. حارث وقتی طور پر بہت غم زدہ ہوگیا پر اب اب پہلے سے زیادہ ان بچوں کا خیال رکھتا. ان میں ہی ایک چھوٹی کبوتری جسکا نام اس نے جھمری رکھا بہت پیاری سی تھی. حارث نے اسکی ایک ٹانگ مین ایک ایک چھوٹا سا گھنگرو بھی باندھا ہوا تھا جب وہ چلتی تو فضا میں دیر تک اسکے گھنگرو کی آواز ایک موسیقی کا سماں باندھے رکھتی. دھیرے دھیرے وقت کے ساتھ

وہ بڑی ہونے لگی حارث اسکے لیئے ایک نر کبوتر اور بازار سے لے آیا. جلد ہی وہ پنجرہ پھر سے بہت سے اور چھوٹے چھوٹے کبوترون سے بھر گیا. اب ڈال کر حارث کبوتروں کی ٹانگ میں ڈوری اڑانے کا شوق نہیں پورا کرتا بلکہ وہ ہر ماہ احتیاط سے انکے پروں کو تھوڑا کاٹ دیتا اور انھیں روز شام کو تھوڑی دیر کے لیئے صحن میں کھلا چھوڑ دیتا. کچھ دن سے جھمری کی طبیعت میں عجیب سا چڑچڑاپن تھا جب شام کو صحن میں کبوتر چہل قدمی کرتے تو وہ ایک کونے میں سب سے الگ تھلگ جاکے کھڑی ہو جاتی اس دن بھی کچھ ایسا ہی ہوا وہ سب سے الگ تھلگ کھڑی تھی جبھی حارث کو پنجرے میں سب کبوتر بند کرتے وقت نہیں دکھی. وہ عجلت میں تھا شاید اسلیئے بھی اس نے جھمری کی غیر موجودگی محسوس نہیں کی. اسکے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک ادھر ادھر پھرتی رہی دھیرے دھیرے. بڑھتے اندھیرے اور دیواروں پر پھیلتے سائے خوفناک سا ماحول پیدا کر رہے تھے دفعتا کسی جانب سے بلی کی آواز آتی محسوس ہوئی جھمری نے ایک عجیب سے احساس سے جھرجھری لی. اسکے رونگٹے کھڑے ہونے لگے. بے چینی کی کیفیت میں وہ پاس ایک چھجے پر چڑھ گئی آواز قریب آتی محسوس ہو رہی تھی. اور.... اور... جھمری نے اپنے پر پھیلا دیئے پروں میں بھرنے والی ٹھنڈی ہوا نے اسے ایک الگ ہی احساس دلایا اس نے اپنے پر پھڑ پھڑا کر اڑنے کی کوشش کی اسکے کٹے ہوئے پر تھوڑے بہت بڑھ چکے تھے. سو اسکی یہ کمزور سی کوشش کسی حد تک کامیاب ہو گئی اور وہ چھجے سے اڑ کر پاس والی چھت تک پہنچ گئی خوف اب پہلے سے تھوڑا کم اور اعتماد پہلے سے

تھوڑا زیادہ تھا. اس نے ایکبار پھر اڑنے کی کوشش کی. پرواز کا یہ نیا احساس ایک عجیب سی سرشاری لیئے ہوئے تھا. آزاد فضا اور اسکے پیر میں بندھا گھنگرو ملکر ایک خوبصورت ماحول باندھ رہے تھے. پر وہ ٹھیک سے اڑنے سے ناواقفی کی بناء پر بار بار گر پڑتی رات کے اندھیرے چھٹ رہے تھے چڑیوں کی چہچہاٹ سورج کے نکلنے کا اعلان کر رہین تھیں . جھمری مین سڑک تک پہنچ چکی تھی. جہاں دھیرے دھیرے گاڑیوں کا شور بڑھتا ہی جارہا تھا حیرت یہ تھی کہ کسی کا بھی اسکی طرف دھیان نہیں گیا تھا کیونکہ وہ ایسی جگہ تھی جہاں آوارہ کتے بھی کافی تعداد میں ٹہلتے رہتے تھے یا شاید اسکی قسمت بہت اچھی تھی کہ اسے ایک اور کبوتر پاس میں نظر آگیا ایک خوشی کی کیفیت اسکے ی رگ رگ میں جیسے بھر گئی کافی دیر کے سفر کے بعد اسے اپنے جیسا کوئ راستے میں ملا تھا. وہ اسکے پاس پہنچی تو اس نے بھی گویا حیرت سے اسکا خیر مقدم کیا وہ ایک عمر رسیدہ کبوتر تھا. دونوں جلد ہی مانوس ہوگئے اور ساتھ اڑان بھرنے لگے. لیکن جلد ہی اس عمر رسیدہ کبوتر کو احساس ہوگیا کہ جھمری ابھی اڑنے کے فن سے ناآشنا ہے لیکن ساتھ ہی اس میں اڑنے کی چاہ موجود تھی. اس نے جھمری کی مدد کی ٹھان لی. اور اسکی اڑنے میں جو مدد ہو سکتی تھی کرنے لگا اس نے اپنے بازوؤں سے اسے سہارا دے کر اڑانے کی کوشش کی. وہ زیادہ اونچا نہیں اڑ پاتی اور بار بار گرتی یہاتنک کہ اس بار قدرے غیر ہموار اور پتھریلے راستے پر گرنے کی وجہ سے اسکے بازو شدید زخمی ہوگئے.. لیکن شاید آزادی اور اونچی فضا میں اڑنے کا احساس اس سے زیادہ

طاقتور تھا وہ دونوں جلد ہی شہر سے نزدیک جنگل پہنچ چکے تھے. جنگل پہنچ کر جھمری نے دیکھا وہاں اس جیسے کئی کبوتر جھنڈ کی شکل میں موجود تھے. ہر طرح ہر نسل کے پر یہ کیا اسے یکلخت ہی ان ننھے کبوتروں کا خیال ستانے لگا جنہی وہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی. وہ مزید آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگی. اسکی آنکھوں میں اس وقت ایک عجیب سی مقناطیسی چمک محسوس کی جاسکتی تھی. وہاں کچھ کھونے یا پانے کا احساس نہیں بلکہ کچھ کر گذرنے کا مصمم ارادہ جھلک رہا تھا وہ جنگل کی آزاد زندگی میں سانس لیتے ہوئے اس پورے جھنڈ کو حیرت اور بہت سے ان کہے سوالوں کی گرفت میں چھوڑ کر واپس ہولی اسی قفس کی جانب جہاں سے اس نے پہلی اڑان بھری تھی. مزید اور کچھ گھنٹوں کے سفر کے بعد وہ واپس اس گھر کی منڈیر پر پہنچ چکی تھی. اس بار اسکی پرواز قدرے مستحکم اور تجربہ کار تھی. ملگجی شام پھر پھیلنا شروع ہوگئی تھی سورج کی روپہلی کرنیں مکان کی کچی منڈیروں پر اپنا ڈیرہ جما رہیں تھیں. تبھی حارث کی نظر اس پر پڑی وہ دوڑ کے اسکے پاس آیا کل رات سے وہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جیسے تھک سا گیا تھا اب تو امید بھی ہار دی تھی کہ یکلخت وہ نظر آگئی. تبھی اس کا دوست عذیر چلایا ارے یہ تو جھمری ہے یہ واپس آگئی جلدی پکڑ اسے کہیں پھر سے نہ اڑ جائے اور ہاں اس دفعہ اسکے پر اور زیادہ کاٹ دینا کہیں پھر سے نہ اڑ جائے.. حارث نے اسے پیار سے پسکار کر دھیرے سے اپنے ہاتھوں میں پکڑا دیکھ عذیر اسکے گھنگرو پر جنگل کی گیلی مٹی لگی ہے پھر وہ اسکی آنکھوں میں جھانکنے لگا اور اسکی

آنکھوں کی چمک میں جیسے مہبوت سا ہوگیا. اور کہنے لگا اب یہ کہیں نہیں جائے گی. اب اسکے پر کاٹنے کی ضرورت بھی نہیں. اگر اس نے آزاد ہی ہونا ہوتا تو کبھی واپس اڑکے یہاں نہ آتی. یہ کہہ کر اس نے جھمری کو واپس اسکے بچوں کے پاس پنجرے میں ڈال دیا پنجرے میں جیسے ننھے ننھے دوسرے کبوتروں کی عید ہی ہوگئی وہ دوڑ کر اسکے پھیلے ہوئے پروں میں سمٹ آئے یہ بات ممتا کے جذبے سے سرشار جھمری کے اچھے سے سمجھ آچکی تھی کہ آزادی صرف فرد واحد کے لیئے نہیں یہ ایک وسیع تصور ہے ایک ایسا جذبہ ہے جسے وہ اپنی اولاد میں پروان چڑھانے کے لیئے واپس لوٹی تھی. وہ کیفیت اور خوشی جو اس نے چند لمحوں کے لیئے خود فضا میں محسوس کی وہ اسے آگے منتقل کرنی تھی. اس بار اسے صرف اپنے لیئے نہیں سب کے لیئے آزادی چاہیے تھی. اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس بار وہ قید میں بھی مطمئن تھی اور پہلے سے زیادہ پرسکون۔

ایک حقیقت ایک فسانہ" بس تھوڑی دور اور"

بی اے کے ایگزام کا اعلان ہو چکا تھا اور ایڈمٹ کارڈ
ملنے شروع ہو گئے تھے. پہلے کارڈ لینے کی لائن میں لگو پھر فل کر کے چیک کرانے کی پھر
سبمیٹ کرانے کی لائن افففففف..... گیٹ سے چیونٹی کی قطاریں شروع
ہوتیں تو ختم ہوتے ہوتے کالج آف ہونے کا ٹائم لگ جاتا. خدا خدا کر کے یہ مرحلے ختم
ہوئے. لیکن ختم کہاں جی ابھی ایڈمٹ کارڈ واپس بھی تو وصول کرنا تھا اس سے پہلے
ہی اساتذہ نے دہائی دینا شروع کر دی. خبردار جسکی حاضری 75% سے کم ہو گی وہ
ایگزام میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہو گا انکے اس اعلان نے کئی طالبات کے ماتھے پر پریشانی کی
لکیر کھینچ دی پر ہمیں بھلا اس سے کیا پرابلم ہو سکتی تھی. ہماری حاضری تو انکی طے کردہ
پرسنٹیج سے بھی اونچی تھی. سب کے منظور نظر جو ٹھہرے. خیر بڑی مشکل سے وہ چیونٹی
کی لمبی قطار جیسی لائن بھگتائی پر یہ کیا جب ہم کلرک کی کھڑکی تک پہنچے تو اس نے بڑی
رعونت سے جواب دیا بی بی یونیورسٹی جاؤ تمہارا کارڈ شامل نہیں لسٹ میں.
ارے! ایسا کیسے ہو سکتا ہے پھر سے ذرا دیکھ بھال کے چیک کریں. مس ہو گیا
ہو گا.....اتنی دیر سورج کی آگ جھیلنے کے بعد یہ انکشاف خاصا جان لیوا تھا کہ ہمارا
کارڈ کالج آیا ہی نہیں....

نہیں بی بی ہمارا تو کام ہی یہی ہے ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی. اور آپ اکیلی ہستی نہیں جسکے ..... ساتھ ایسا ہوا دیکھیئے پیچھے

افففففف پیچھے دیکھنے پر تو واقعی ہمیں اس کلرک کی بات پر یقین ہوگیا. ہمارے جیسی کافی لڑکیاں تھیں جو واپس پلٹ رہیں تھیں اور انکے اترے چہرے صاف بپتا سنا رہے تھے گذری ہوئی..... .. ہم بھی تھکے قدموں چلتے ہوئے اس پیپل کے پیڑ کے نیچے آ کر بیٹھ گئے جو ہمارے گروپ کی طے کردہ جگہ تھی. ہماری اکثر گروپ میٹنگ یہیں انجام پاتیں..... تھوڑی دیر میں سب ہی وہاں جمع ہو گئیں. انکے ہاتھ میں ایڈمٹ کارڈ اور ڈیٹ شیٹ صاف دکھ رہے تھے. غزل تمہارا کارڈ کہاں ہے..... مہناز کے سوال پر ساری کتھا شروع سے آخیر تک بنا سانس لیئے سنا دی. سارہ تو اچھی خاصی سیخ پا ہو گئی. سب ڈرامے ہیں انکے ذرا مٹھی گرم کرو پھر دیکھو.

چھوڑ یار ہم یونیورسٹی جا کر نکلوالیں گے کارڈ..... اسکو یہ کہہ کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تو وہ مزید بھڑک اٹھی. اس سے پہلے کہ ہم مزید اسکو کچھ سمجھاتے اس نے سختی سے ہماری کلائی پکڑی اور واپس کلرک کے آفس تک لے آئی..... سارہ کچھ نہیں ہونے والا اس بحث سے جب اسکے پاس کارڈ ہے ہی نہیں تو کیسے دے گا اس نے ہمیں غصے سے گھور کے دیکھا چپ .... لڑکی بس سب خاموشی سے دیکھتی جاؤ. یہ کہہ کر اسنے پرس سے نوٹ بک نکالی اور کاغذ پر کچھ تحریر کیا. اور ہماری مٹھی میں دبا دیا..... اب جاؤ اور یہ اس کلرک علی کو دے دو.

پر اس میں تم نے لکھا کیا

.....

ارے جاؤ تو سہی .....اسکے اصرار پر ہم نے وہ پرچہ علی کے ہاتھ میں دے دیا اور خاموشی سے اسکے چہرے کے تاثرات نوٹ کرنے لگے ہمیں پکا یقین تھا کہ سارا نے ضرور کچھ ایسا لکھا ہوگا جس سے وہ ابھی بھڑک اٹھے گا. پر ایسا کچھ نہیں ہوا وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور پاس رکھی الماریاں ٹٹولنے لگا. تھوڑی ہی دیر میں جب وہ واپس لوٹا تو اسکے ہاتھ میں ایک پرچہ تھا جو اس نے ہمیں دے دیا اور کہا کہ جس نے یہ پرچی دی وہ کہاں ہے؟

ہم نے دیکھا وہ پرچہ نہیں ہمارا ایڈمٹ کارڈ ہی تھا... وہ وہ باہر پر آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہین ہم نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی کچھ نہیں بس ان سے کہیئے گا میری بھی سفارش کردیں میں نے انکا کام کردیا شاید خوش ہو کر میری بھی ترقی کروادیں

اسکی بات سنکر جب ہم باہر آئے تو سب ہی دوست باہر موجود تھین اور ہمارے..... ہاتھ میں لہراتا کارڈ دیکھ کر خوش ہو گئیں.

ہم نے سارہ کے ہاتھ پکڑا اور لے گئے اسکو ایک کونے میں... سچ بول کیا لکھا تھا اس پرچے میں

کچھ نہین یار اگر تیرے اصولوں پر چلتے نا تو دو چار دن یونیورسٹی کی خاک چھان رہی ہوتی. کبھی دیکھی ہے یونیورسٹی.

اور دیکھ اسکے کہنے کے مطابق تیرا کارڈ کالج آ ہی نہیں پھر یہ سب کیا ہے کہاں سے .....ملا.....وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئی

اور کچھ نہیں بس اتنا لکھا کہ جو لڑکی آپکے پاس بھیجی جارہی ہے اسکا کام ہوجانا چاہیئے پاگل مرے پاپا نیشنل بینک کے مینیجر ہیں. اور میرے بھائی نے اس علی کے بچے کو سختی سے ہدایت کی ہوئی ہے کہ کوئی بھی کام ہو مجھے لائن میں لگنا نہ پڑے. بس ایک نوٹ لکھا اور ہوگیا کام

.پر سارہ یہ سب سہولت تمہارے لیئے ہے تمہارے بھائی خفا نہیین ہونگے

ہم نے کہا تو اس نے ہمارے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے مہربانی کرکے آپ چپ ہونا پسند کرین گیں. سب سے اہم ہے کہ آپ ڈیٹ شیٹ پر فوکس کرین اور بتائیں آپکا امتحانی مرکز کس سمت مین ہے.....ہاہاہاہاہا

.ہم نے اسکی بات پر ہنستے ہوئے شیٹ پر نظر ڈالی تو اس میں صاف لکھا تھا

جامعہ کراچی ....دیکھو یونیورسٹی

.تو جانا ہی پڑے گا اور ہم ہی نہیں سب کو بلکہ پورے شہر سے سے سبکا مرکز وہیں ہے

چلو اس بار دیکھ ہی لیتے ہین...افراح نے کہا غزل ہمارے روٹ سیم 'ہوں گے. کیوں نہ کچھ اور ایسے اسٹوڈنٹ جمع کریں اور ساتھ مین چلیین اسسے تھوڑی کمپنی بھی مل جائے .گی اور سہولت بھی

نہیں شکریہ افراح ہم اپنے بابا کے ساتھ ہی جائیں گے
وہ ہمیں روٹ سے بھی واقفیت کرادیں گے.... خیر اس دن ہم سب امتحانات کے لیئے
.منصوبے بناتے رہے اور پھر کالج بند ہونے پر اپنے اپنے گھر روانہ ہو گئے
آخرکار وہ دن بھی آ ہی گیا.جب ہم اپنے پہلے پیپر کے لیئے بابا کے ہمراہ گھر سے نکلنے
کے ..لیئے تیار ہونے لگے.....اس دن اسلامیات کا پیپر تھا. ہم جانے کے لیئے تیار
ہو رہے تھے. بابا نے آواز دی غزل جلدی کرو بہت دور جانا ہے پہلے سے نکلیں گے تو
.وقت پر پہنچ جائیں گے
جی بابا ہم نے جلدی سے سب ضروری چیزیں سمیٹ کر اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالیں اور
بال سمیٹ کر آنکھوں مین کاجل لگانے لگے. اتنے میں ماں ناشتے کی ٹرے لے کر کمرے
.میں داخل ہوئیں بیٹا کچھ کھالو. بنا کھائے کچھ گھر سے ایک قدم نہیں نکالنے دوں گی
انکے پیار بھرے مصنوعی غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیئے ہم نے انکے گلے میں بانہیں ڈال کر
دھیرے سے پیار کیا اور کہا ماں آپکو تو پتہ ہے نا صبح صبح ہم سے کچھ نہیین کھایا جاتا اور
.پھر کہیں باہر جانا ہو تو بالکل بھی نہیین
کچھ بھی ہو آج امتحان ہے خالی پیٹ دماغ بھی کام نہیں کرے گا. ارے کچھ تو لو ورنہ ہم
.آپ سے بات کرنا بند کردین گے
ماں نے اس دفعہ تقریبا وارن کرتے ہوئے کہاتو بابا بھی بولے بیٹا غزل تمہاری ماں
.نہیں ماننے والی ہمارا مشورہ ہے کہ آپ کچھ کھا ہی لین اب

ہاہاہاہا اچھا بابا ہم نے ایک توس اٹھایا اور جلدی سے کھوسے پاؤں میں ڈالے
ارے یہ کیا غزل ! اس سے کیا ہوگا؟....اور یہ کھوسے زیادہ چلنا پڑا تو تکلیف دین گے
.....بیٹا کوئی آرام دہ سلیپر پہن کے جاؤ
ماں کی اس بات پر ہم نے کہا ماں یہ کافی ہے پلیز اس سے زیادہ کچھ نہین اور ہمارے پاس کوئی ایسے سلیپر نہین جو ہم یونیورسٹی پہن کے جا سکیں سب ہی تو تقریبا گھس دیئے ہین نہ ہی ٹینس شوز اس لائق ہیں وہاں پورے کراچی کے اسٹوڈنٹ آ رہے ہیں. نہین بھئی ہم یہ نئے کھوسے ہی پہنیں گے پھر چلنا کیسا یہاں سے بس پھر اندر بھی انکی پرائیوٹ بسیں چلتی ہین ایک کیمپس سے دوسرے کیمپس تک واپسی بھی بس سے ہونی ہے. آپ
.بس یہ دعا کرین ہمارا پیپر اچھے سے ہوجائے
ماں نے ماتھے پہ پیار کیا اور کہا جیسے آپکی مرضی....ہم آپکی رضا مین راضی اور رہی بات پیپر کی تو دعا کیوں نہین کرین گے اور ہمیں یقین ہے کہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی آپ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوں گیں. اللہ آپکا حامی وناصر رہے. آمین
.انکی آنکھوں سے ایک ماں کی محبت صاف چھلک رہی تھی
اس سے پہلے ہم ماں بیٹی اور ایموشنل ہوتے بابا نے شور مچادیا جلدی کرو بھئی

.....باقی باتیں آکے کرلینا

ہم نے ماں سے وداع لی پھوپھو کی دعا لی اور چل دیئے بابا کے ساتھ اس بات سے .....انجان کہ آج کے دن ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے.؟

راستے میں بابا ہمیں بسوں اور انکے اسٹاپ سے متعلق گائیڈ کرتے رہے اور راستوں کی نشاندہی بھی

بابا کی یہ بہت اچھی عادت تھی وہ ہمیشہ کہیں بھی جاتے تو ہم سب کو راستوں کی معلومات ضرور دیتے انکا یہ ماننا تھا کہ اسطرح ہم لوگوں کو کبھی بھٹکنے کا اندیشہ نہیں ہوگا کیونکہ ضروری نہیں کہ وہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہوں کبھی کہیں تنہا جانے کی .....ضرورت پڑے تو ہم سب اسکے لیئے پہلے سے تیار ہوں

خیر وقت کیسے گذرا پتہ ہی نہیں چلا اور ہم یونیورسٹی کے مین گیٹ پر پہنچ گئے بس سے اتر کر بابا نے کہا بیٹا اب اندر آپکو خود جانا ہے اور بھی طالبات جارہیں ہین انکے ساتھ ہی اندر چلیں جائیں. اور ہاں گیٹ پر سیکورٹی گارڈ کو اپنا آئی ڈی کارڈ اور ایڈمٹ کارڈ .ضرور چیک کرا دینا

بابا نے ہمیں ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ وہ پانچ بجے ہم کو لینے یہیں گیٹ کے باہر پہنچ جائیں گے. یہ کہہ کر وہ واپس روانہ ہوگئے اندر داخل ہوتے وقت ہمیں افراح بھی مل گئیں ہم ساتھ ساتھ اپنے مطلوبہ کیمپس کی طرف روانہ ہوگئے پیپر

.توقع کے مطابق بہت اچھا ہوا

واپسی پر جب باہر آ کر یونیورسٹی پوائنٹس کے لیۓ آ کر کھڑے ہوئے تو سامنے سے گذرتی طالبات نے کہا کہ پیدل چلنا پڑے گا پوائنٹس سے ایک اسٹوڈنٹ گر کے ہلاک ہوگیا ہے جامعہ کراچی کی طلبہ یونین نے احتجاج شروع کردیا ہے. پوائنٹس کو جبرا روک دیا گیا ہے. افففففففف

اسکا مطلب گڑبڑ شروع ہم نے بھی پیدل گیٹ کی راہ لی. اتنے میں افراح اپنی ساتھی طالبات کے ساتھ ہمیں پھر ملیں غزل ہمارے ساتھ چلو ہم آپکو گھر تک چھوڑ دین گے .انکی اس پیشکش کو ہم نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ نہیں شکریہ بابا بس آتے ہی ہوں گے پر یہ کیا باہر گیٹ کے ایک جم غفیر کھڑا تھا اس میں بابا کو ڈھونڈنا بھوسے کے ڈھیر میں سے سوئ ڈھونڈنے کے برابر تھا خیر مقرر جگہ پر ہم کھڑے ہو کر بابا کا انتظار کرنے لگے پر وقت تیزی سے گذر رہا تھا لوگ چھٹنے لگے بابا کہیں دکھائ نہیں دے رہے تھے دل میں عجب عجب وسوسے گھر کرنے لگے. آخرکار ہم نے طے کیا کہ ہم تنہا گھر کے لیئے روانہ ہوں.....

ہم نے بابا کی بتائ ہوئ بس پکڑی اور سوار ہوگئے اس دن بدترین ٹریفک جام تھا

پورے شہر کا مرکز ایک جگہ ہونے کے باعث چاروں طرف سے روڈ بلاک ہو چکے تھے
بس چل کیا رینگ رہی تھی دو گھنٹے سے اوپر ہو گئے بس نے ایک کیا آدھا کیا پونا میل بھی
طے نہیں کیا. ہم بھی دوسرے مسافروں کی طرح بس سے اتر کر پیدل چلنے لگ گئے. خیر
نیپا چورنگی پہنچ کر پھر بس پکڑی لیکن کچھ دور چلنے کے بعد پتہ چلا کہ بس کا روٹ مختلف
ہے واپس اترے اور پھر پیدل چلنا شروع گھبراہٹ سوار ہو رہی تھی پتہ نہیں بابا کہاں ہوں
گے وہ ہمیں لینے کیوں نہیں پہنچے
نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ اتنے لاپرواہ نہیں ہو سکتے ہماری جانب سے
ایسا بھی تو ہو سکتا ہے جیسے ہم انھیں ڈھونڈ نہیں پائے وہ بھی ہمیں ڈھونڈ رہے ہوں
اوہ! ایسا ہوا تو وہ بہت پریشان ہو جائیں گے یہ خیال آتے ہی ہم نے اپنے قدم
..... .تیز کر دیئے
انہی خیالات سے الجھ رہے تھے کہ حسن اسکوائر بھی آگیا ہم کافی دیر سے چل رہے تھے ہم
نے وہاں رک کر بس کا انتظار کرنے کو ترجیح دی اسٹاپ پر اس وقت کافی لوگ موجود
تھے جو ہماری طرح
.... بس کا انتظار کر رہے تھے
اچانک ہمیں ایسا لگا کہ کسی نے ہمیں آواز دی پہلے تو ہم نے اسے اپنا وہم سمجھ کے سر
جھٹک دیا پر تھوڑی دیر بعد پھر وہی آواز

بے بی سنو سنو بے بی
کیا پریشان ہو میں کچھ مدد کروں کہاں جانا ہے میں چھوڑ دیتا ہوں
ہم نے پیچھے دیکھا وہ شخص آنکھوں میٔ خباشت اور چہرے پر دبی دبی مسکان لیئے ہماری طرف چلا آرہا تھا ہم ڈر گئے اور ہم نے پیدل آگے چلنا شروع کردیا مدد کے لیئے کس کو بلاتے اس طرح سب جان جاتے کہ یہ لڑکی حقیقت مین اکیلی ہے کس کا کیا پتہ
ہم جتنا آگے بڑھتے
وہ اتنا ہی ہمارے پیچھے آتا اب تو مانو ہم نے دوڑ ہی لگادی شاید ہمارے چہرے سے جھلکتی پریشانی نے اسے ہماری طرف متوجہ کیا...
ہم نے آؤ دیکھا تاؤ سامنے سے آنے والی بس میں بنا روٹ معلوم کیئے بغیر پھر چڑھ گئے اور سکون کی سانس لی... اب ہم اس انجان شخص کی دسترس سے دور تھے. کنڈیکٹر سے پتہ چلا بس سیدھی جائے گی سبزی منڈی سے آگے حالات ایک دم ہوگئے ہیں جبکہ ہمیں اندر ہی جانا تھا.. ان دنوں محاصرے اور کرفیو عام سی بات تھی.
اندھیرا ہوچلا تھا گھڑی ساڑھے چھ بجا رہی تھی بس والا ہمیں سبزی منڈی کے سامنے اتار کر آگے بڑھ گیا
لائٹ جانے کے بعد گھپ اندھیرا چارون اور پھیل گیا تھا وقفے وقفے سے فائرنگ کی آوازیں آرہیں تھیں.

ایک ایسی لڑکی کے لیئے جو گھر سے کالج تک کے روٹ کے علاوہ کبھی کہیں نکلی نہ ہو یہ سب بہت تکلیف دہ صورتحال تھی.

اکیلی لڑکی راستوں سے انجان پھر گھپ اندھیرا

انجان اور بدمعاش قسم کے آدمیوں کے پیچھے لگنے کا خوف

تیز ہوتی فائرنگ اور اب تو ہلکی ہلکی پھوار بھی شروع ہوگئی تھی... دور دور تک کو نظر نہیں آرہا تھا سنسان سڑک پر اب تو چلتی گاڑیاں بھی نظر نہیں آرہیں تھیں. پھر کوئی آدم زاد سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو مدد کرنے والا کوئی بھی نہ ہوتا کسی کو خبر ہی نہ ہوتی کہ یہ اچھی خاصی لڑکی کو زمین نگل گئی یا آسمان

دل میں طرح طرح کے وسوسے پھر سر اٹھانے بہت دیر تک چلنے کے باعث پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے اب ماں کی ہدایت یاد آرہی تھی کاش ہم نے انکی بات مان لی ہوتی کھوسے پیر کی سوجن کے باعث پاؤں مین.بری طرح پھنس گئے تھے.

جو لوگ کراچی میں رہائش پذیر ہین وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہوں گے کہ سہراب گوٹھ سے سبزی منڈی تک ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا

وہ بھی پیدل

سامنے کھڑے ہم تھوڑی دیر اپنی انہی فضول سوچوں میں غرق رہے پھر خود کو تسلی دی یاد ہے ماں بابا کیا کہتے ہیں ہم کبھی تنہا نہیں ہوتے ہمارا رب ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے بس ہمیں اس پر اپنا یقین بنائے رکھنے کی ضرورت ہے وہ ہر

روپ مین ہر جگہ ہر وقت ہماری مدد کے لیئے ہمارے ساتھ ہوتا ہے پھر کس بات کا ڈر
بھلا کوئ کیا بگاڑ سکتا ہے اسکا جس نے دنیا بنائ
.....غزل ہمت کرو بس تھوڑی دور اور
اتنا تو فاصلہ طے کرہی لیا ہے باقی بھی ہو ہی جائے گا پھر گھر پر سب پریشان ہورہے ہونگے
.یہ سوچ کر ہم نے ڈبل روڈ پار کیا اور سبزی منڈی میں داخل ہوئے
اس وقت منڈی اندھیرے کے
.باعث بہت بھیانک منظر پیش کررہی تھی
ہاتھ کو ہاتھ سجھائ نہین دے رہا تھا جگہ جگہ مال کے ڈھیر ان پر ڈھکے جانے والے
...خاکی کپڑے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی مانند دکھ رہے تھے
.جگہ جگہ چرسی سروں پر چادرین ڈال کر نشہ کرنے میں مصروف تھے
کوئ آہٹ ہوتی ت انکے مشغلے میں خلل پڑجاتا اور وہ چادر ہٹاکر چارون اور نظر
دوڑاتے اور پھر سے مشغول ہوجاتے .ہمارے جسم مین ایک سرد سہ لہر دوڑ جاتی کہین
.وہ ہمیں راستے میں نہ روک لین
کہیں کہیں کچھ پٹھان چوکیدار آگ کی تاپ لیتے بھی دکھائ دیئے
اٹھتی آگ کی لپٹین اور جلتے چنگتے کوئلوں سے اڑتی چنگاریاں ماحول کو اور پراسرار بنا
رہیں تھین
کبھی جھینگر کی آواز تو کبھی پتنگے کبھی فائرنگ کی وقفے سے آتی آواز ہمارا دھیان بٹادیتی کچھ
چنگاریاں تو ہمارے پیروں میں بھی آکر لگین .جلنے کی تکلیف

محسوس ہوئی تو اپنے پیرون کی طرف دھیان چلا گیا چنگاریوں نے چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیئے تھے پیروں کے چھالے اب زخم کی صورت اختیار کر گئے تھے. ان سے رسنے والے خون سے کھوسے بھی رنگین ہو چلے تھے.

یا میرے رب! !!!! مجھے حوصلہ دے آنکھون سے بہنے والے آنسوؤں نے گالوں پر کاجل کی لمبی لمبی کالی لکیرین کھینچ دین تھین. پیروں سے چلنا تو دور اب ایک قدم اٹھانا بھی محال ہو رہا تھا

اپنی یہ حالت دیکھ کر ہمارے کانوں میں اس گاؤں سے آنے والی لڑکی کی آواز گونجنے لگی جو اکثر اپنی ماں کے ہمراہ ہماری حویلی آیا کرتی تھی

وہ دیر تک ہمارے پاؤن محویت سے دیکھتی رہتی بی بی جی! کیا آپ اپنے پاؤں زمین پر نہین رکھتیں....

اسکے استفسار نے ہمارے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی

کیوں مومل ایسا کیوں کہا آپ نے.....

جواب مین وہ بولی دیکھو نا کتنے گلابی گلابی پاؤن ہیں آپکے بالکل چھوٹے بچوں کی طرح آپ زمین پر پیدل کہاں چلتیں ہو نگین جو ان مین مٹی لگے ہماری طرح تھوڑی کوس در کوس چلنا پڑتا ہوگا.

پاگل لڑکی ایسا کچھ نہین ہم بھی آپکی طرح عام سے انسان ہین... اور جہاں اشد

ضرورت ہو وہیں گاڑی یوز کی جاتی ہے ورنہ پیدل چلنے کو ہی ترجیح دیتے ہین یہ ایک طرح سے بہت اچھا بھی ہے زیادہ سہولتین انسان کو کاہل بنا دیتی ہین

اس نے نہ سمجھ آنے والے انداز مین گردن ہلائی اور کہا پھر بھی بی بی جی آپ بڑے سوہنے ہو.....

ہاہاہاہا یادوں مین گونجنے والا قہقہہ یک دم کراہٹ مین تبدیل ہوگیا کھوسہ پھٹ چکا تھا اور ٹوٹے پھوٹے راستے کے پتھر بھی اب چبھنے لگے تھے. ہم بہت تھک گئے تھے رکنا سمجھو گرنے کے مترادف تھا شاید ہن پھر چل نہین پاتے

بس تھوڑی دور اور

خیالات تھے کہ ذہن مین ہوا کے جھونکون کی طرح آجا رہے تھے بارش تیز ہو چلی تھی. اب تھوڑی سردی بھی محسوس ہونے لگی فائرنگ مین اب کمی آگئی تھی پر ہمین اس کا خوف قطعی نہین تھا بارش کی وجہ سے اکادکا دکھنے والی الاؤ کی روشنی بھی معدوم ہوچکی تھی ایک بار پھر گھپ اندھیرا ہم نے درود شریف کا ورد کرنا شروع کردیا.....

میری بیٹی میرا فخر میرا غرور ہے مجھے اس پر مکمل اعتماد ہے اگر وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے تو مین اسے کبھی نہین روکوں گا

بابا کی آواز ہمارے ذہن مین گونجنے لگی. جو انھوں نے ہماری تدریس سے متعلق اعتراضات پر کہی تھی.

غزل کتنا بھاگ دوڑ کرتی ہو سارا دن کالج سے اسکول پھر ہوم ٹیوشنز پھر کوچنگ

تھکتی نہیں ہو

یہ سارے اسائمنٹ بھی تمہارے پاس کرنے کا وقت نہیں ہوتا کالج مین لائبریری میں دماغ خراب کرتی رہتی ہو.... انسان ہو یا جن

ہاہاہا جن سمجھ گئیں اب کام کرنے دو خاموشی سے

یہ سارے نوٹس فوٹو اسٹیٹ کرکے کلاس میں بانٹ دینا اوکے

اوکے میڈم جو حکم اور آپکی اجرت اسکے لیئے کیا حکم ہے

ہاہاہاہا اس سے پارٹی کرلینا خوش

غزل یہاں آ یئے مس صغری نے اشارے سے بلایا

جی میم حکم آپکو اور نو اور طالبات کو اعزازی طور پر کامرس گروپ مین ڈائریکٹ ٹرانسفر کیا جارہا ہے آپ ایگری ہو تو کنفرم کردو اوکے میم

پر اس پر عمل درآمد ہمارے لیئے ممکن نہیں تھا پھر کوچنگ جوائن کرنا پڑتا جو ہمارے لیئے ممکن نہیں تھا.

افففف یہ رہ رہ کر کون کون سی باتین ذہن مین آرہی ہین

گھر کالج اسکول سے متعلق سب لوگ اور ان سے جڑی باتیں ایک ایک کرکے ذہن میں آرہین تھین. کس کس کا ذکر کریں پتہ نہیں ہم ان سے واپس مل بھی پائیں گے نہیں

بہت درد کے احساس کے ساتھ آنسوؤں سے سامنے کا منظر دھندلانے لگا ہمارا دل کررہا تھا کہ ہم اپنے گھٹنے ٹیک کر دوزانو بیٹھ جائین اور زور زور سے چیخ

چیخ کر روئیں. ماں.....بابا.....بھائی.....کوئی تو آؤ ہم سے نہیں چلا جارہا....ہم بہت اکیلے پڑ گئے ہیں میری سہیلیوں تم ہی آ جاؤ.....اب نہیں چلا جارہا. بہت درد ہو رہا ہے

سار چیخیں جیسے اندر ہی دب کر رہ گئیں تھیں ہمیں کمزور نہیں پڑنا بس تھوڑی دور اور چلنا ہے خود کو دی جانے والی اس تسلی کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں تھا اپنا حوصلہ .....بڑھانے کے لیئے... ہم چل رہے تھے اور پتہ نہیں کتنا چلنا تھا

اندی پر بنی پلیا نزدیک آ گئی تھی اس کے دوسری طرف بنے ہوٹل کی روشنیاں بہت بھلی محسوس ہو رہی تھیں. وہ شاید واحد ہوٹل تھا جو وہاں کمانے کے لیئے دور دراز سے آنے والے سرائیکی پنجابی اور پٹھانی مزدوروں سے بھرا ہوا تھا شاید ہی اس وقت کوئی اردو اسپیکینگ وہاں موجود ہو. ہم نے گزرا واقعہ یاد کرتے ہوئے خود کو

نارمل کرنے کی کوشش کی نہیں چاہتے تھے کہ پھر کوئی ہمیں پریشان دیکھ کر ہمارے پیچھے لگ جائے اب رستہ بھی ٹھیک سے نہیں دکھ رہا تھا اتنے میں دور سے ایک بس آتی دکھائی دی. ہاں وہ بس ہی تھی جو ہمارے روٹ کی بس تھی پر یہ کیسے ؟

بسیں تو چل ہی نہیں رہیں تھیں

بہر حال ہم نے ہاتھ ہلایا تو بس ہمارے پاس آ کر رک گئی

سامنے افراح کو دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی اس نے سہارا دیا بس مین چڑھنے

کے لیئے یہ کیا حالت بنا لی ہے؟ کیا ہوا؟ غزل کچھ تو بولو ..... اسکے سوال شروع ہوئے تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے یہاں سکت جواب دے چکی تھی.

سب بتاتی ہوں پہلے یہ بتاؤ کہ تم تو بہت پہلے ہی نکل گئیں تھیں پھر یہ کیا رات کے آٹھ بج رہے ہین اور تم ابھی تک بس میں ہو؟

ہاں ! غزل ہم اس وقت اسی بس میں سوار ہوئے تھے. ٹریفک جام بہت تھا ہم بس سے اترے ہی نہیں اب کہیں جا کر یہ بس یہاں تک پہنچی بس والا تو سبزی منڈی پر ہی سب کو اتار رہا تھا گاڑیاں چلنی بند جو ہو گئیں ہیں جو بس نظر آتی ہے اسے جلا دیا جاتا ہے پر سب لوگوں کے اصرار نے ڈرائیور کا دل موم کر دیا اور یہ یہاں تک آنے پر راضی ہو گیا

.....

اسکی بات سنکر ہم نے اپنا ماتھا پکڑ لیا افففف خدایا گویا یہ وقت متعین تھا اگر ہم انکے ساتھ آنے کا فیصلہ کر لیتے تب بھی یہی وقت لگنا تھا.

پھوپھو کی آواز کانوں مین آنے لگی ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا قدرت نے سب متعین کیا ہوا ہے انسان کو راستوں کے چناؤ کا حق حاصل ہے جو اسکے سامنے پیش آنے والے حالات کا تعین کرتا ہے. اب چاہے وہ کوئی بھی موقع ہو یا حالات

اس مختصر سے وقت میں پتہ نہیں کتنی اذیت جھیل چکے تھے ہم ہمارا متوقع اسٹاپ بہت نزدیک تھا سندھی ہوٹل پر اتر کر دیکھا تو دور دور تک سناٹا اور اندھیرا پھیلا ہوا تھا ایک طرف رینجرز لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو زبردستی

.....پیچھے کی طرف دھکیل رہی تھی

مہربانی کرو جی اجازت نہیں ہے محاصرہ کرلیا گیا ہے علاقے کا .....کیوں اپنی .....جانوں کو خطرے مین ڈالنے پر تلے ہوئے ہو

....رینجرز کے ایک جوان نے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا

تو ان میں سے ہی ایک عمر رسیدہ شخص دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پیٹتے ہوئے سڑک پر تقریبا لیٹ گیا وہ زور زور سے چلا رہا تھا

خدا! کے لیئے رحم کرو جانے دو ہمیں ہماری بچیاں گھروں کو ابھی تک نہیں لوٹیں پتہ .....نہیں کس حال میں ہوں گیں

ارے کوئی سنبھالو اسکو ہم کچھ نہیں کر سکتے بابا اوپر سے آڈر نہیں تمہاری آڑ لے کر کوئی مجرم فرار ہوگیا تو آپ لوگوں نے ہمیں ہی الزام دینا ہے.....انکی یہ بحث جاری ہی تھی بس سے اترنے والی طالبات اپنے اپنوں کو ہجوم میں تلاش کرنے لگیں تب ہی ہماری نظر ہمارے بابا پر پڑی

شاید اس وقت کو الفاظ میں بیان کرنا نہ ممکن ہے جو حالت اس وقت ہمارے دل کی ہورہی تھی اسکا درد بابا کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا پر یہ وقت بکھرنے کا نہیں تھا ہمیں روتا دیکھ کر اس وقت موجود ان بہت سارے لوگون کا حوصلہ ٹوٹ جاتا جو ابھی بھی اپنی بچیوں کے انتظار مین کھڑے تھے

ٹھیک ہو بیٹا! بابا نے مشکل سے ضبط کرتے ہوئے نارمل لہجے میں بات شروع کی

ہم مے جواب میں سر ہلایا جی بابا

کہاں تھیں آپ میں گیٹ پر کھڑا آپکو اتنی ساری لڑکیون مین تلاش کرتا رہا پر آپ نظر ہی نہیں آئیں کوئی تین دفعہ یونیورسٹی کے چکر لگا آیا آپ کہیں نہیں دکھیں ... بابا شاید رش کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پائے بیٹا ہم تو یونیورسٹی خالی ہونے تک انتظار کرتے رہے

. سوری بابا ہماری وجہ سے آپکو اتنی تکلیف ہوئی

چلو کوئی بات نہیں یہ اچھا ہے کہ آپکو راستے یاد رہے اور خیریت سے گھر پہنچ گئیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے گھر چلتے ہین آپکی ماما بھی بہت فکرمند ہین

ہم چل نہیں گھسٹ رہے تھے پر ان زیادہ دور نہیں بس تھوڑی دور اور چلنا تھا اس بار ہمیں ایک مضبوط سہارا میسر تھا.... گھر داخل ہوتے ہی دروازہ عبور کرنے کی دیر تھی بس سامنے ماں نے دیکھ کر ہمیں یک دم سینے سے لگالیا وہ بہت رو رہین تھیں شاید پھر ہمارا ضبط بھی ٹوٹ گیا وہ بار بار بر قرار کر ہمیں چومتیں اور روتی جاتیں امی بس کریں دیکھیں ہم گھر واپس آ گئے ہیں بالکل صحیح سلامت نہ روئیں پلیز..... ہم نے رندھی ہوئی آواز می مشکل سے الفاظ ادا کیئے

ٹھیک ہے بیٹا آپ منہ ہاتھ دھوکے فریش ہو جاؤ ہم آپکے لیئے کھانا لگاتے ہین یہ کہہ کر وہ مڑی ہی تھیں کہ ہم اچانک بے ہوش سے ہو کر گر پڑے... بابا نے جلدی سے اٹھا کر بستر پر لٹایا اور ہمارے پیروں ہیں پھنسے ہوئے کھوسے اتارے .

زخم نیلے ہو چکے تھے اور سوجن بھی کافی تھی یہ سب کیسے ہوا میری بچی یا میرے

خدا! ماں رونے لگیں تو بابا نے کہا شاید بہت چلی ہے یہ اور بہت دور تک
اسے سونے دو تھوڑی دیر اور دوا لگا دیتے ہیں پیروں پر فکر نہ کرو اب سب ٹھیک ہے
ہماری بچی مولا کریم نے ہمیں بخیریت لوٹا دی اس سے بڑھ کر کیا دوسری بات ہو سکتی
ہے زخم تو بھر ہی جائیں گے اب اسے آرام کرنے دو پرسوں پھر پیپر دینے جانا ہے. یہ
کہہ کر روم کی لائٹ بند کر دی بابا ہمارے پاؤں کی پٹی کرنے لگے اور ماں شکرانے کے
.نفل ادا کرنے کھڑیں ہو گئیں

.اس دن کے بعد ہمارے حوصلے اور ہمت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی

اب ہم کہیں تنہا سفر سے ہر گز نہیں ہچکچاتے تھے کیونکہ ہم تنہا تو کبھی تھے ہی نہیں

.....

آپ بیتی حیاء غزل کی زبانی

ایک کہانی ایک فسانہ " روٹی"

"روٹی"

ہے میرا جرم غریبی تو دو سزا مجھ کو
کوئی غریب نہیں چھوڑنا قسم ہے تمہیں

ہماری علاقے میں اکثر کچرا چننے والے افغانی بچے کاندھے پر بورا ڈالے دھوپ کی سختی سہتے ہوئے ارد گرد کچرے کی تلاش مین سرگرداں رہتے.. وہ دونوں بھائی بھی ان میں سے ہی تھے. پھٹے پرانے خستہ حال میلے کچیلے کپڑوں میں سیب کی رنگت کو شرماتے ہوئے بھوری آنکھوں والے ایک بھائی شاید نو دس سال تک کا ہوگا اور دوسرا اس سے چند ہی سال بڑا شاید چودہ کا... وہ اکثر دوسرے افغانی بچوں کی طرح وہاں آتے اپنا کام کرتے اور کسی بھی گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر روٹی طلب کرتے اگر کچھ مل جاتا تو وہیں زمین پر بیٹھ کے پیٹ پوجا کرکے دعائیں اور شکریے کے ساتھ رخصت ہوجاتے. اس دن ہمیں اچھی طرح یاد ہے جب گلی میں عجیب سا شور محسوس کیا. باہر نکل کے دریافت کیا تو پتہ چلا محلے کی ہی ایک عورت ان میں سے چھوٹے والے بچے کا ہاتھ سختی سے پکڑے زور زور سے چلا رہی تھی. سنو ہے کوئی ارے! ..... کوئی ہے جو اس خبیث کو پولیس کے حوالے کرے وہ اسے کبھی بری

بھلی سناتی کبھی کوسنے دیتی تو کبھی غصے سے بے حال ہو کر مارنے لگ جاتی اچھا خاصا تماشا کھڑا ہوگیا تھا. لوگ جمع ہونے شروع ہوگئے تھے. لیکن سب صرف دیکھنے والے اصل بات تک کوئی پہنچنا ہی نہین چاہتا تھا ہم نے دیکھا کہ اسکے چہرے پر خاموشی کے ساتھ کرب کے آثار نمایاں تھے. اور اسکی بھوری آنکھین آنسوؤں سے لبریز اس سے پہلے ہم آگے بڑھتے ایک بھلے مانس نے اسے آکر چھڑایا

بس بھی کرو آپا.... کیا بچے کی جان لو گی اور ایسا کیا ہوگیا جو اتنا بڑا کھڑاگ کھڑا کر دیا .....تم نے

.....تو ان خاتون نے بتایا کہ کسطرح اس لڑکے نے انکے گھر چوری کرنے کی کوشش کی آپکے گھر چوری اللہ کو جان دینی ہے کہ نہین ایسا کیا چوری کرلیا بھئی تم نے ..اس بار وہ آدمی اس بچے سے مخاطب تھا....جواب میں اس نے کہا صیب بھوک لگی تھی کوئی کھانے کو نہین دے رہا تھا دو دن سے کچرا اٹھانے والے خاکروب بھی آرہے ہین تو کوئی کمائی بھی نہیں ہو رہی آج بھائی بھی نہیں آیا اسے بہت بخار چھڑا ہوا ہے ابھی وہ اپنی بپتا سنا ہی رہا تھا کہ آدمی کی نظر اسکے ہاتھ پر پڑی یہ کیا تمہارے ہاتھ سے تو خون بہہ رہا ہے یہ کیسے

جی صیب ہم روٹی واسطے آیا تھا انکے پاس پر یہ اس گلی میں جو کتا پھر رہا ہے اس نے کاٹ لیا انھوں نے روٹی ڈالی تھی اسے میں نے اٹھالی....تو اس نے مجھے کاٹ لیا اور کب سے انکو بتانے کی کوشش کر رہا ہوں پر یہ ہیں کہ سنتی ہی نہیں

... یہ سنکر سب دم بخود رہ گئے کسی مین کچھ کہنے کی سکت ہی نہین تھی
وہ عورت جھینپ گئی ہاں تو پہلے کہنا تھا نہ روٹی کیوں چرائی میں تو ایسے ہی دے دیتی رہنے دو آپا اسکی دوا کرانی ہے کم سے کم پیسے تو دو دیکھ کتنا خون بہہ رہا ہے نہ بھیا میرے پاس کون سا ہن برس رہا ہے اسکے بھائی سے لو پیسے یہان سے کما کما کر افغانستان جو بھیجتے ہیں.بڑے نوٹ ہین انکے پاس سارے ڈرامے ہیں انکے
خیر انکو سمجھانا بے سود تھا سب نے تھوڑے تھوڑے پیسے ملائے کل تین سو روپے ہوئے وہ آدمی بچے کو لے کر پہلے ہسپتال گیا اسکی پٹی کروائی اور دوا دلائی پھر اسے اسکے گھر چھوڑنے گیا تو دیکھا جسے وہ بچہ گھر کہہ رہا تھا وہ کسی ٹوٹے مکان کی کھڑی دو دیواریں تھیں جنکے ایک طرف گندگی غلاظت بکھری پڑی تھی.اسے دیکھ کر وہاں موجود دو لڑکے جس میں سے ایک اسکا بھائی تھا. کھڑا ہوگیا اس آدمی نے بچے کو اسکے بڑے بھائی کے حوالے کیا اور جیب سے کچھ پیسے نکال کر بھی دیئے اسکی مرہم پٹی کرانا جب تک یہ ٹھیک نہ ہو اور کچھ کھا پی لینا تم لوگ ..... تم اپنے گھر کیوں نہیں لوٹ جاتے .... تو اس نے جواب دیا کہ وہ کمانے کے لیئے یہان آئے ہین اور اسی جگہ زمین پر روز سو جاتے ہین یا تو کچرے مین پڑا کھانے سے پیٹ بھر لیتے ہین یا کوئی ترس کھا کر کچھ دے دیتا ہے

..... تو کمارہے ہو تو اس مین سے اپنے رہنے کھانے کا بندوبست کیوں نہین کر لیتے
....صیب اگر ہم خود پر خرچ کر لین گے تو گھر کیا بھیجیں گے
اسکی بات کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہین تھی وہ تھکے قدموں واپس پلٹ آیا آ کر سب کو صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا ہوسکے تو انکی مدد کر دینا پھر چلا گیا وہ کون تھا کہان سے آیا کہان گیا کیا نام تھا اس سے کوئ واقف نہین لیکن وہ اس انسان نما بھیڑ میں سچ مچ کا انسان تھا.... یہ کوئ نیا واقعہ نہیں شاید آپ سبکی نظر سے ایک خبر گزری ہو ایک ہوٹل والے نے روٹی چرانے والے ایک غریب بچے کا قتل کر دیا ٹھیک ہی تو کیا غربت کو ختم کرنے کا سب سے اچھا اور آسان طریقہ غریب کو مار دو اجلاس کرو میٹنگس کرو تحریک چلاو اپنی گاڑیون کے نیچے کچل دو مار دو انھین پر پہلے اپنے ضمیر کو ضرور مار دینا ورنہ وہ تمہیں مار ڈالے گا

حیاء غزل

ریڈ سگنل

شہباز میری کلاس کا سب سے ذہین اسٹوڈنٹ تھا وہ ہمیشہ اسکول لیول پر ہونے والے طلبہ کے لیئے مختلف پروگرامز میں حصہ لیتا اب چاہے وہ تقریر کا مقابلہ ہو یا ذہنی آزمائش کا یہی وجہ ہے کہ وہ اسکول میں ہر ایک کا ہر دلعزیز تھا. قدرے سانولا سا بوٹے سے قد کا سنجیدہ سا شہباز اسکے ساتھی اسٹوڈنٹ جب بھی اسکے متعلق استفسار کرتے وہ انھیں ٹال مٹول کرکے بات بدل دیتا... مجھے اچھی طرح یاد ہے اس دن میں ایک ضروری کام سے ٹیکسی میں جانے کے لیئے گھر سے نکلی. ابھی کچھ دور ہی کا سفر طے ہوا تھا کہ روڈ پر لگا ریڈ سگنل آن ہوگیا اور تمام گاڑیوں کو رکنا پڑا. ٹریفک رولز کی پابندی اچھی بات ہے لیکن یہ اس وقت کوفت مین تبدیل ہوجاتی ہے جب بہت سارے بھکاری ادھر ادھر سے نکل کر آپکے ارد گرد پھیل جائیں. ساتھ ہی کچھ بڑے اور چھوٹے بچے بھی گاڑیوں کے ارد گرد مختلف چیزیں بیچنے لگتے ہین کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہاتھ مین پانی کی بالٹی لیئے اور کاندھے پر تولیے کے رومال اور ایک چھوٹا سا شیشے پر مارنے والا وائپر لیے استدعا کرتے نظر آتے ہیں کہ کوئی گاڑی والا ان سے یہ کام کرالے اور انکے ہاتھ پر دس بیس روپے رکھ دے. اور سچ تو یہ ہے کہ یہ معصوم بچے ان بھکاریوں سے لاکھ درجے بہتر ہوتے ہیں. جو اپنے معصوم

. بچپن اور خواہشات کی قربانی دے کر محنت اور عزت کا راستہ اختیار کرتے ہیں
خیر ہماری ٹیکسی کا شیشہ بھی ایک ایسے ہی بچے نے کھٹکھٹایا . صاحب گاڑی کا شیشہ صاف کردوں.... ٹیکسی والا جو پہلے ہی بھکاریوں کی یلغار سے شدید کوفت کا شکار تھا اس نے اس بچے کو اچھا خاصا جھڑک دیا. جاؤ دفع ہوجاؤ دماغ خراب کرکے رکھ دیا ہے سگنل . گرین ہو اور میں نکلوں اس جنجال سے
صاحب جی دیکھو زیادہ نہیں صرف دس روپے بھی دے دوگے تو کام چل جائے گا یہ کہہ کر اس نے زبردستی شیشے صاف کرنے شروع کردیئے اس بار ٹیکسی والے نے اسے ڈانٹنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے زور سے دھکا دیا جاؤ دھندے کا ٹائم ہے مت دماغ خراب کرو. بی بی جی کچھ رکھوا سکے ہاتھ پر اور دے کر رفع دفع کرو.... سگنل یلو ہوچکا ہے بس کسی بھی وقت گرین ہونے والا تھا اور ڈرائیور تھا کہ اس بچے سے الجھا ہوا تھا ...
نہیں صاحب جی بھک منگا نہیں ہوں میں اپنی محنت کی کھاتا ہوں. نہیں کروانا تو مت .... کرواؤ دھکا تو نہ دو
میں جو سیٹ پر آنکھیں موندے بیٹھی تھی اسکے ان الفاظ پر اچانک ہی اسے چونک کر دیکھا تو وہ کوئی اور نہیں میرا ہی اسٹوڈنٹ شہباز تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مجھے شدید دھکا لگا. آخر کیا وجہ ہوسکتی تھی جو وہ اس حد تک ذہن ابھی اسی الجھن میں تھا کہ سگنل گرین ہوگیا. اور گاڑیاں پھر سے اروڈ پر رواں دواں ہوگئیں میں دیر تک خود سے اس صورتحال پر الجھتی رہی کہ کہیں یہ

میرا وہم تو نہیں.. میں نے کسی اور بچے کو تو نہیں دیکھا... خود سے لڑتے جھگڑتے آخرکار ایک فیصلہ پر پہنچ کے میں پرسکون ہوگئی. دوسرے ہی دن میں نے شہباز کو اپنے فری پیریڈ مین اسٹاف روم میں بلوایا اس وقت وہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا... دیکھو شہباز میں تم کو ریڈ سگنل کے دوران روڈ پر دیکھ چکی ہوں مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا سوائے سچ کے.. شہباز کی بڑی بڑی موٹی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ اب آنسوؤں نے بھی جگہ لے لی تھی

ٹیچر وہ وہ.... میں وہاں ... ٹیچر وہ میں وہاں روز یہی کام کرتا ہوں اسی طرح گاڑیوں ...کے شیشے صاف کرکے اپنی روزی کماتا ہوں. اسکول کے اوقات کے بعد

... لیکن کیوں شاید یہ بولتے ہوئے میری آواز قدرے اونچی بھی ہوگئی تھی

ٹیچر وہ اپنے گھر کا خرچہ چلانے کے لیئے

شہباز

لیکن شہباز دس بیس روپوں سے کوئی گھر نہیں چلتا پھر تمہاری پڑھائی کا خرچ یہ کیسے پورا ہوتا ہوگا... میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اسکا باپ ایک ٹول فیکٹری میں مزدوری کرتا تھا. کچھ سال پہلے ایک حادثے میں اسکے دونوں پیر کٹ گئے جب سے انکے گھر کے حالات یکسر تبدیل ہوگئے باپ اب سارا دن گھر بیٹھ کر کرسیاں بنتا ہے ماں کسی پوش علاقے میں سارا دن اجرت پر کام کرتی ہے گھر میں

اسکے سوا ایک بڑی بہن اور بھی ہے جو اپنی کم عمری کے باوجود گھر سنبھالتی ہے. ان حالات مین اسکا مزید پڑھنا مشکل ہی نہین نا ممکن تھا پھر بھی اسکے والدین نے یہ فیصلہ کیا کہ کم سے کم وہ شہباز کو تو کسی طرح آگے پڑھا ہی سکتے ہیں. اسی لیئے وہ بھی اسکول سے گھر جانے کے بعد رات تک ایسے ہی ریڈ سگنل سے گرین سگنل کے درمیان کام کرتا ہے

...

اسکی کہانی سنکر میں سناٹے میں آگئی اف میرے! خدا یہ تو پھر بھی ایک باحوصلہ خاندان کی کہانی ہے جو اپنی مشکلات غریبی اور بے پناہ مسائل کے باوجود اپنے حالات سے لڑ رہا ہے پر نہ جانے ایسے کتنے ہی بچے ہونگے جو تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہونگے..

کیا یہ ہم سب کی معاشرتی ذمہ داری نہیں...

میں نے شہباز کے جانے کے بعد اسکول کی ہیڈ پرنسپل سے بات کرکے اور کچھ ٹیچرز کو بھی اس کار خیر میں شریک کیا اور اسکول فنڈ بھی اسکے نام پر جاری کروا دیا.. کم سے کم اس سے شہباز اور اسکی بہن کی پڑھائی کا انتظام تو ہو ہی گیا..

لیکن اسکے بعد میں نے ذاتی طور پر ایسے بچوں کے لیئے کام کرنا شروع کر دیا.. تاکہ آئندہ کسی بچے کی زندگی ریڈ سے گرین سگنل کے دورانیئے میں گم نہ ہو. آخر وہ بھی تو ہمارے ملک کا مستقبل ہیں. اور یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اس ملک کی ہر صبح ہمیشہ سے زیادہ اجلی اور چمکیلی ہو. اور یہ ننھے چہرے سورج کی کرن کی طرح دمک رہے ہوں.

یقین" قسط-1"

شدید تھکن اور سردرد سے آنکھوں میں مانو جیسے گلابی موسم اتر آیا تھا. شانے بوجھل ہو چلے تھے جسم آرام آرام کی کمزور سی صدائے احتجاج بلند کر رہا تھا اور ذہن ابھی بھی بضد کہ جو دل پر گذر رہی ہے وہ تحریر کی صورت کورے کاغذ پر قلم کے زریعے اتار دے.

پرانی یادوں کی گویا ذہن میں ایک فلم سی چلنے لگی. سلائیڈ بدلتی رہتی اور گذرے پل سین کی طرح سامنے آتے رہتے. چلیں آج ان میں سے ہی کچھ رقم کر دیتے ہیں.

ان دنوں ہم اسکول کے میٹرک کے ایگزامز کی تیاری میں مشغول تھے. گرمیوں کے دن، پھر ایگزام کا دباؤ اسکول کوچنگ پھر گھر میں بھی رات دیر تک پڑھائی افففففف خیر یہ تو سب پر ہی گذرتی ہے وہ بھی ان دنوں، ہم بتا رہے تھے یا یوں کہیئے لکھ رہے تھے. اس واقعہ کی بابت جو ہمارے ساتھ پیش آیا. اور اس دن اس ذات باری تعالی پر ہمارا یقین راسخ ہوگیا بے شک وہ اپنے ہر بندے کے حال سے پوری طرح واقف ہے. تو جی ہوا کچھ یوں کہ دوسرے دنوں کی طرح اس دن بھی ہم جب اپنی کوچنگ کی کلاس لے کر حسب معمول اپنے گھر جانے کے لیئے نکلنے لگے تو

دیکھا کہ ہماری ہی کلاس کی ایک لڑکی صائمہ اکیلی افسردہ بیٹھی تھی استفسار پر اس نے بتایا
.....کہ اسکے ساتھ جانے والی لڑکیاں آج جلد بازی میں اسے تنہا چھوڑ گئیں
تو اس میں اتنی پریشان ہونے والی کیا بات ہے آپ اکیلے بھی تو جا سکتی ہو فاصلہ طویل تو
نہیں" ہم نے کہا
نہیں غزل ایسی بات نہیں وہ علاقہ کچھ ٹھیک نہیں جہاں میں رہتی ہوں. مجھے اکیلے جاتے
.ہوئے خوف محسوس ہو رہا ہے..صائمہ نے جھرجھری لی نہیں میں یہیں بیٹھی رہوں گی
پاگل ہو کوچنگ دھیرے دھیرے خالی ہو رہا ہے آخر کب تک ایسے..اچھا یہ بتاؤ کہاں
جانا ہے ہم چلتے ہیں آپکے ساتھ گھر چھوڑنے بنا سوچے سمجھے ہم نے ایک دم ہامی بھر لی
اس وقت اس سے بہتر حل کوئی نظر ہی نہیں آیا. پھر کسی کی مدد کرنا اچھی بات ہے.
اسکا گھر ہمارے راستے میں ہی تو پڑتا تھا. اس وقت یہ بھی نہیں سوچا کہ ہمیں گھر جانے
میں دیر ہوگی تو گھر پر ماں بابا پریشان ہو سکتے ہیں. ہم خود بھی کسی پریشانی میں پڑ سکتے
ہیں. آخر وہ لڑکی خوف زدہ ہے تو کوئی تو وجہ ہوگی ہی نا.....پر اس وقت تو ہمارے سر
.....پر مدد کا بھوت سوار تھا کسی کے کام آنے کا نیکی کمانے کا موقع جو مل رہا تھا

بہت بھولا معصوم سا چہرہ تھا اسکا اس پر اسکی بادامی آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں جن میں ہمارے لیئے ڈھیر سارا تشکر بھرا تھا آج بھی بہت شدت سے یاد آتیں ہیں ایک بات کہیں اس بات کا ذکر ہم نے آج سے پہلے کبھی کیا بھی نہیں تھا. سچ مچ اب یہ نہ کہیئے گا کہ کھایئے قسم، وہ تو جھوٹوں کا کام ہے ہاں سچ چھپایا ضرور ڈانٹ جو پڑتی بڑوں کی۔

خیر ہم دونوں ساتھ کوچنگ کی پچھلی طرف سے نکل کر صائمہ کے گھر روانہ ہوئے. جب انکی گلی میں داخل ہوئے تو دیکھا دونوں جانب چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے . گلی بالکل سنسان پڑی تھی وہ کہتے ہیں نہ بندہ نہ بندے کی ذات ،افففف فضا میں عجیب سی خاموشی گھلی ہوئی تھی شدید گرمی کی وجہ سے پرندے بھی آشیانوں میں چھپے بیٹھے تھے. اب پتا نہیں شاید یہ سب صائمہ کی باتوں کا اثر نہ ہو اچھا بھلا راستہ تو ہے گھر چھوڑ کے ہم لیتے ہیں اپنی راہ

. یہ سوچ کے اپنے شانے اچکائے

اور قدم تیز کر دیئے. انکے گھر پہنچے تو دیکھا چھوٹا سا نفاست سے سجا ہوا پرانی طرز کا مکان دیوار کے ایک طرف رنگ برنگے پھولوں سے سجی کیاری اپنی بہار دکھلا رہی تھی تو دوسری طرف گیٹ کے پاس انکی معذور ماں وہیل چیئر پر

حد درجہ پریشان بیٹھیں تھیں. صائمہ کے اندر داخل ہوتے ہی انکے چہرے پر خوشی کی لہر نمودار ہو گئی. آ گئی میری بچی کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟ میں دیکھ ہی رہی تھی ابھی کسی کو تمہیں لانے کے لیئے

ابھی انکے سوال ختم ہوتے تو وہ بے چاری کچھ کہتی

پر خدا کا شکر اس نظر کا جو ہم پر پڑی اور انکے سوال کرتے لبوں کو یک دم بریک لگ گیا

...

صائمہ بیٹا کون ہے یہ بچی؟؟؟؟؟

امی جان یہ غزل ہیں میری کلاس میں ساتھ ہیں یہی مجھے گھر تک چھوڑنے آئیں. صائمہ ..ابھی تک ہماری ممنون نظر آ رہی تھی

شکریہ بیٹا آپ نے میری بچی کو گھر تک چھوڑا بہت ڈرتی ہے یہ اکیلے آنے جانے سے ہم دونوں ماں بیٹی تنہا جو رہتے ہیں اسکے بابا بھی نہیں رہے

کوئی پرسان حال نہیں ہمارا

انکے لہجے میں حد درجہ افسردگی تھی

ہم سے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی

صائمہ نے ہمیں چائے کے لیئے روکنے کی کوشش کی پر ہم نے اسے روک دیا. وقت بہت

ہو چلا تھا

پھر دیر ہونے کا احساس بھی تنگ کرنے لگا تھا

ہم معذرت کرتے ہوئے جلدی سے واپسی کے ارادے سے گیٹ تک آئے تو دونوں ماں بیٹیاں ہمیں گیٹ پر اللہ حافظ کہنے آئیں. ہمیں اچھا لگا کہ انکا اپنائیت سے بھرا سلوک دیکھ کر اور کچھ عجیب بھی

بھلا ایسا بھی کیا کر دیا تھا ہم نے .الجھن تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی. گیٹ کا کھٹکا جھٹکے سے اٹھایا اور تیزی سے باہر کی سمت دوڑ لگائی جاتے جاتے بھی انکی دعائیں ہماری سماعت سے ٹکراتی رہیں.....

ابھی نکلے ہوئے کچھ منٹ ہی ہوئے تھے کہ اندر کی بے کلی اور بڑھتی الجھن ایک زووووون زووووون کرتے شور کی صورت ہمارے سامنے آ موجود ہوئی....

یہ کوئی فلمی سین نہیں تھا اور نہ ہی کسی رائٹر کا تخیل

ہم سچ مچ ایک ناگہانی افتاد کا شکار ہو چکے تھے...جو چار بنا سائیلنسرز لگی بائیک کی شکل میں ہمارے آس پاس نظر آ رہی تھی. چار نوجوان جنھوں نے تقریباً

.ایک جیسے لباس پہنے ہوئے تھے. بائیک پر سوار ہمارے گرد راؤنڈ لگانے لگے
ایک عجیب سے خوف نے ہم کو اپنی گرفت میں لے لیا انکے ارادے ٹھیک نظر نہیں آرہے تھے. ہم نے چاروں طرف مدد کے ارادے سے نظر دوڑائی تو تب کہیں جاکے ہمیں صائمہ کے خوف زدہ ہونے کی وجہ سمجھ آئی. سائیلنسرز کا شور بھی بنگلوں کے مکینوں کی سماعت سے کوسوں دور تھا ایسا لگتا تھا کہ خالی مکان ہیں جہاں صدیوں سے کوئی رہنے ہی نہیں آیا.....
انکے چہرے پر خباثت سے بھری مسکراہٹ اور خوف زدہ کرنے والے تاثرات نظر آرہے تھے وہ بڑی خاموشی سے گھیرا دھیرے دھیرے تنگ کررہے تھے. آپ پوچھیں گے کہ چلاتیں مدد کے لیئے کسی کو پکارتیں روتیں للچاتیں انکو اللہ کے واسطے دیتیں بجائے اسکے بڑی خاموشی سے ان سب کا تماشہ بننے کے لیئے تیار ہوگئیں واہ جی واہ بہت خوب.

.....

نہیں ایسا کچھ بھی نہیں تھا یہ ٹھیک ہے ہم خوف زدہ تھے مشکل میں تھے پر رونے چلانے یا للچانے سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا... پھر ان سے کیا کہتے جنکے ارادے خود ناپاک تھے. یا انکو مدد کے لیئے پکارتے جو وہاں موجود ہی نہیں تھے-

یقین " قسط 2 "

ایک حقیقت ایک فسانہ کے سلسلے کی تحریر

گذشتہ سے پیوستہ

ایک نو عمر لڑکی جس نے لڑکپن سے جوانی کی دہلیز پر ابھی قدم ہی رکھا تھا. سوچیں اس وقت اسکے ذہن و دل کی کیا حالت ہوگی. بے یار و مددگار، بے آسرا ایسا لگتا تھا ایک ہرنی بہت سے خونخوار شکاریوں کے نرغے میں پھنسی آزادی کے لیئے حتی المقدور کوششیں کر رہی ہو.....

سلام ابن آدم کے سپوتوں ! بھول گئے جس عورت کی تقدیس تم پر فرض کی گئی جسکی عزت و حرمت کی حفاظت تمہاری ذمہ داری ہے۔

جو ماں، بہن، بیٹی جیسے رشتوں میں تمہارے لیئے از حد محترم ہے وہی تمہیں سڑک پر چلتی ہوئی نظر آئے تو اخلاق کی اپنی معاشرتی روایات کی ساری حدیں پھلانگ جاتے ہو کیوں تمہاری نظر میں وہ حیا شرم مر جاتی ہے کہاں جاتی ہے وہ غیرت

وحمیت جو اپنے گھر کی خواتین کے لیئے جب وہ باہر نکلتی ہیں جاگ جاتی ہے کیونکہ ایک
.خوف تمہارے دلوں میں بھی ہوتا ہے جو ہم نے کیا وہ تو کوئی اور بھی دہرا سکتا ہے
ڈھیر سارا کلیپ تالیوں کی گونج سنائی تو دے ہی رہی ہو گی بنا آواز کی سماعت کو جھنجھوڑ
دینے والی تالیاں

ٹھیک ہے سب ایسے نہیں لیکن کتنے بھوسے میں سوئی گر جائے تو تمیز کرنا مشکل ہو جاتا
ہے -

بانس پر چڑھی عورت اور نیچے للچاتے تماش بین
-تماشہ بننے کا شوق نہیں تھا ہمیں. اور دور دور تک کوئی پرسان حال بھی نہیں

زووووون زووووں کی آواز بتدریج نزدیک آرہی تھی. اس سے پہلے.برداشت صبر و
ہمت کے بند ٹوٹ جاتے.اپنی ڈولتی کانپتی دھڑکنوں کو سنبھالا دیا. دھوپ غائب ہو چکی
تھی پھر بھی پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ماتھے پر کسی پھول پر سجے شبنمی قطروں کی طرح
چمک رہی تھی. یہ منظر اس سے پہلے دل بند کر دیتا. ہم نے اپنی آنکھیں موند لیں
.....زووووون زووووون کی آواز اب بھی ارد گرد گھومتی محسوس ہو رہی تھی

ایک ہستی تھی جو میری ڈوبتی نبض سے بھی نزدیک تھی. ایک ہستی تھی جو میری سانسوں کے زیر و بم پر قدرت رکھتی تھی. ایک ہستی تھی جس نے میرے دل کو سنبھالا دیا میرے ذہن کے تاریک گوشوں میں اپنا ہر طرف نور پھیلا دیا. وہ جو دونوں جہانوں کا خالق، پالن ہار ہے جسکے قبضے میں ہم سب کی جان ہے مجال ہے جو اسکے حکم کے بنا ایک پتہ بھی ہل سکے.

وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے. تو کیوں روتی للچاتی ان لوگوں کے سامنے جو اسکے آگے ایک ذرہ کا وجود بھی نہیں رکھتے. جسکی قدرت پر شک نہیں اسکو ہی کیوں اپنی حفاظت کا ذمہ پورے یقین سے نہ سونپ دیا جائے.

ہم نے آنکھیں موند کے اپنے دل میں ٹٹولنے کی کوشش کی اس یقین کو جو محض لفظی نہیں تھا. وہ موجود تھا وہاں بھی ہمارے آس پاس بھی اور یہ احساس ہوتے ہی ہم نے ایک گہرا طمانیت بھرا سانس لیا زبان خود بخود تواتر سے جیسے درود شریف کا ورد کر رہی تھی. ہم نے یقین کی منزل کی طرف اپنا پہلا قدم اٹھایا پھر دوسرا تیسرا اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آئی. ہم تو جیسے منتظر تھے ایک درد سے بھری چیخ کے جو ممکن ہے بائیکس کے چلتے وہیل میں پیر آ جانے سے نکل سکتی تھی پر یہ کیا ایک گہری خاموشی نے پھر ہمارا حصار کر لیا. کیا ہو گیا ایسا اچانک

زووون زووووون زووووون کی آواز بھی دور جاتی محسوس ہوئی. یکایک ایک عجیب سا شور
ہم نے فوراً آنکھیں کھول دیں. سامنے سے ایک آدمی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا چلا
آرہا تھا اس کے دونوں ہاتھوں نے دو پھول سے معصوم چھوٹے بچوں کو سختی سے جکڑا
ہوا تھا. کونسا گھر ہے تمہارا زور زور سے روتے ہوئے بچوں نے ہاتھ سے ایک گھر کی
طرف اشارہ کیا تو اس نے گھر کا دروازہ ایسے پیٹا جیسے ابھی توڑ ہی ڈالے گا اسکو آتا دیکھ کر
. بائیک سوار تیزی سے اپنی بائیکس گلی کی آخری حد تک لے گئے تھے
دھڑ دھڑ دھڑ دھڑ..... دھڑادھڑ دھڑ کی آواز ذووووون زووووون کی آواز پر حاوی آ
. گئی تھی. بنگلے کا دروازہ کھلا
اور اندر سے ایک خاتون کا چہرہ نمودار ہوا
کیا ہوا؟ کیوں اتنے زور سے دروازہ پیٹ رہے ہو؟ انداز تو ایسا کرخت تھا جیسے اپنے
آفس کے چپڑاسی سے بات کر رہی ہو. افففففف اتن کوفت محسوس کر رہی تھی وہ جیسے
... کسی نے اسے زبردستی ڈرائنگ روم سے گیٹ پر آنے کو مجبور کر دیا ہو
پر اگلے ہی لمحے اسکا لہجہ قدرے نرم ہو گیا جب اس نے سامنے کھڑے آدمی کے ماتھے پر
....پڑے لاتعداد بل دیکھے

عجیب عورت ہو بچوں کا ہوش نہیں... مین روڈ پر پتہ ہے نا ٹریفک کا حال خدانخواستہ بچوں کو کچھ ہوجاتا بیچ راستے میں کھیل رہے تھے تم جیسی عورتوں کو ٹی وی سیریل اور گوسپ سے فرصت ملے تو اس بارے میں سوچو. ایک تو نیکی کی اوپر سے انکی کرختگی بھی جھیلو. سنبھالو بی بی اپنے بچے میں اپنی ٹال پر نہ بیٹھا ہوتا تو نظر بھی نہ پڑتی ان پر یہ کہا اور ..اس نے واپسی کی راہ لی وہ عورت بھی بچوں کو لے کر گھر کے اندر واپس چلی گئی

ہمارے لیئے یہ اچانک پیدا ہوئی صورتحال حق تعالی کی غیبی مدد کے طور پر سامنے آئی...جب وہ آدمی گلی مین داخل ہوا وہی وقت تھا جب ہم نے اپنے قدم ان بائیکس کے نرغے سے نکلنے کے لیئے بڑھائے تھے اور شور سنکر ان شیطان صفت لوگوں نے وقتی طور پر اپنی بائیکس دوسرے سمت میں موڑ لی تھیں.

ہم نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تقریبا گلی کے اس کونے جہاں سے وہ آدمی بچوں کو لے کر آیا تھا دوڑ ہی لگا دی. جب تک وہ آدمی گلی کے کونے تک پہنچا ہم میں روڈ تک پہنچ چکے تھے. روڈ پر پہنچ کے ہم نے مڑکے ایک نظر گلی پر ڈالی تو دیکھا کہ وہ بائیک سوار واپس لوٹ رہے تھے. پر اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے. مین روڈ پر لکڑی کی کافی دوکانیں تھیں اور ٹریفک بھی .....ہم

نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا. اس پورے واقعے کے دوران ہم مسلسل درود شریف کا ورد کرتے رہے. کچھ بھی ہو سکتا تھا اس دن ہمارے ساتھ ایک لڑکی کے لیئے اسکی عزت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے. اسکی حیا اسکا وصف اسکی پاکیزگی کی دلیل اسکا کردار ایک چھینٹ بھی اسکی پوری زندگی تباہ کر دیتی ہے اس دن کوئی فلمی سین نہیں ہوا نہ ہی کسی ہیرو نے انٹری ماری. نہ ہی کوئی ایکشن سے بھرپور ری پلے سامنے آیا... پر اسکے باوجود جب کسی مدد کے دور دور تک آثار نہیں تھے امید اور لو اپنے مالک حقیقی سے سچے دل سے لگائی. اس تمام واقعے کے باوجود بھی ہم ابھی تک پر سکون تھے کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں ہونے دے گا. یاد رکھیئے جب تک آپکا ایمان اور یقین مضبوط ہے آپکے ساتھ کبھی کچھ غلط ہو ہی نہیں سکتا. وہ جو ستر ماؤں سے بھی کئی گنا زیادہ آپ سے محبت کرتا ہے آپ کو تنہا کسی مشکل میں کیسے چھوڑ سکتا ہے اگر ہم کسی پریشانی یا مشکل میں گرفتار ہوتے ہین تو اسکا دوش اپنی قسمت کو قرار دیتے ہیں کہتے ہین سب اوپر والے کا کیا کرا ہے ہم اسکی لکھی ہوئی تقدیر کے تابع ہیں چلیں ایسا ہی سہی ہم نہیں رد کرتے آپکی بات پر جس نے آپکو بنایا آپکے لیئے دنیا بنائی آپکی سہولت کے لیئے یہ جہان تخلیق کیا آپکی تقدیر لکھی وہ آپکی تکلیفوں پریشانیوں سے کیسے غافل رہ سکتا ہے ہمارے پکارنے میں ہی شاید کہیں کوئی کمی رہی گئی ہو گی دل سے یقین سے محبت سے قوی ایمان سے پکار کے تو دیکھیں جس طرح اس نے ہماری مدد کی آپکی بھی کرے

گا بلکہ بنا پکارے بھی کرتا ہے بس آپکی سمجھ سے بالاتر ہے. سوچیئے گا ضرور اب تو سچ میں
تھکان جسم پر غالب آچکی ہے. آنکھوں میں نیند اور چہرے پر ایک سکون کی کیفیت
-پیشانی پر میرا یقین آج بھی روز اول کی طرح روشن دمک رہا ہے

بند گلی

ایک کے بعد ایک گلی وہ بے تحاشا سرپٹ دوڑ رہا تھا بدحواس، خوفزدہ چہرہ لیئے وہ بار بار پیچھے مڑکے دیکھتا جیسے کوئی اسکے تعاقب میں ہو. حلق میں پیاس کی شدت سے مانو جیسے خاردار کانٹے اگ آئے ہوں. مسلسل دوڑتے رہنے سے اسکے جسم کی طاقت جواب دے چکی تھی. لیکن وہ رک نہیں سکتا تھا. ورنہ زندگی موت کی اس دوڑ میں موت جیت جاتی کاش وہ ایسا کرسکتا اسکی سوچوں کا محور یہ تین حرفی لفظ اسکے سامنے پوری زندگی کو ایک چلتی سلائیڈ کی صورت میں سامنے لے آئے کاش کوئی معجزہ ہوجائے اس نے حسرت سے سوچا. سارے رشتے ناطے دنیاوی لذتیں خواہشات اسکے ذہن و دل سے مٹ چکیں تھیں بے ترتیب ہوتی اور اکھڑتی سانسیں ایک ہی کلمہ پڑھ رہیں تھیں گالوں پر بہتے آنسو ماتھے پر چمکتا پسینہ ہی حقیقت تھے. اس لمحے سوائے رب کے کسی اور کا خیال آ بھی نہیں سکتا تھا. لاکھ پہلو تہی کرو دنیا میں گم کرلو پر اسکے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہو سکتے. یہی تو قدرت کا معجزہ ہے. ڈگ ڈگ کرتے تیز قدموں نے دوڑ کی شکل اختیار کرلی تھی پر گلیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں تھیں آج شام وہ جیسے ہی تھانے سے ڈیوٹی ختم کرکے نکلا تب سے ہی جیسے قسمت کی خرابی نے پیچھا پکڑ لیا ہو بائیک خراب ہوگئی. سروس ریوالر بھی تھانے کے لاکر میں بھول آیا پھر شومئ قسمت اسنے گھر کے لیے پیدل کا راستہ اختیار کیا

جواب ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا. تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی اسے محسوس ہوا کہ اسکا پیچھا کیا جا رہا ہے یہ احساس ہوتے ہی ایک عجیب سا خوف اسکی ذات کا حصار کرنے لگا. گھر نزدیک آگیا تھا پر تعاقب میں دوڑتے قدموں کی آواز اور قریب آتی جا رہی تھی. ریاض جیسے ہی اپنی گلی میں داخل ہوا تو سامنے ایک بند پڑے کیبن کی آڑ میں چھپ گیا پچ دسمبر کی ہلکی سرد رات گلی سنسان پڑی تھی لوگ گھروں میں تھے مناحل بھی سرد ہوا سے بچنے کے لیئے گھر کے کھڑکیاں دروازے بند کرنے بڑھی تب ہی اسنے حیرت سے سامنے چھپے ریاض کو دیکھا اس سے پہلے وہ کچھ سمجھ پاتی. اسنے ہاتھوں میں اسلحہ لیئے کچھ لوگوں کو اس سمت آتے دیکھا ہڈیوں میں سرایت ہوتے ایک انجانے خوف سے اسنے ایک دم دروازہ بند کیا اور وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی. بے جان گارے سیمنٹ سے بنی دیواریں کم سے کم ہم زندہ انسانوں سے تو لاکھ بہتر ہوتیں ہیں. تم یہاں دیکھو اور پرویز تم دوسری گلی میں جاؤ. ندیم وہ سامنے گلی میں جہاں دوکانیں ہین وہاں ڈھونڈو آخر بچ کے جائے گا کہاں بہت شوق تھا خون سے کھیلنے کا آج ہم اس..... سے کھیلیں گے. ایک کثیف گالی کے ساتھ انکے بھیانک قہقہوں میں موت کی گونج نمایاں تھی مناحل نے اپنے کانوں پر ہاتھوں کی گرفت سخت کرلی. پر بھاگتے قدموں کی دھمک نے جیسے دیواروں میں بھی ارتعاش پیدا کردیا تھا. بس کچھ وقت اور. وہ دیکھو وہاں چھپا ہے ریاض کیبن سے نکل کر پھر بھاگا اس بار گھر سامنے تھا وہ چاہتا تو گھر میں داخل ہو جاتا اگر میری وجہ سے میری فیملی بھی

نہیں یہ سوچ کے ہی اسکی روح کانپ گئی میرا بیٹا آج ہی تو اسنے پہلا قدم اٹھانا سیکھا...
بیوی بہن ماں وہ سب یہاں ہیں یہ لوگ تو نہیں جانتے نا شاید ایک سیکنڈ کے بھی
ہزارویں حصے میں اپنے قدم پھر دوسری گلی موڑ لیئے جانے کس احساس کے تحت جسم باقی
تھا روح تو بہت پہلے ہی جانے کا فیصلہ کر چکی تھی. ایک مناحل ہی کیا سب سن رہے تھے
زندگی سے موت تک.بڑھتے قدموں کی چاپ پر جیسے سب پس دیوار مردہ ہو چکے تھے
زندگی بھی تو ایک بند گلی ہی ہے جسکا ہر راستہ موت پر جا کر ختم ہوتا ہے. سانسوں کے
زیر و بم کے بیچ دل کی بڑھتی دھڑکنیں اضطراب ،وحشت بے بسی کا تماشہ دکھا رہیں تھیں
بس تھوڑی دیر اور پھر اسٹیج کا پردہ بہت ساری تالیوں کی گونج کے ساتھ گر جائے گا.
سنیں نا پھر ہر ایک نے سنیں وہ موت کی آگ اگلتی آوازیں نفرت بھرے قہقہے پورے
کے پورے.برسٹ خالی کرنے کے بعد بھی بند نہیں ہوئے. خاموش فضا گولیوں کی آواز
سے گونج اٹھی پھر ہر طرف خاموشی کسی طوفان کے جانے کے بعد کی جس میں سوئی کے
گرنے کی آواز کو بھی سنا جاسکتا تھا.سب منتظر تھے قدموں کی چاپ ختم ہونے کے کون
پہل کرے گا. نہیں پہلے وہ تڑپتا جسم ٹھنڈا ہونے دو.تاکہ کسی بچانے والے کی بھی
ضرورت نہ پڑے اسکے بعد چوپالیں سجیں گیں گرم گرم دھواں اٹھاتے قہوؤں کی مزے
دار چسکیوں کے بیچ یہ بحث کی جائے گی کہ آیا وہ اس موت کا حقدار تھا بھی کہ نہیں پیچھے
رہ جانے والوں کے لیئے تاسف کا اظہار اور چہ ءمگویاں کیں جائیں گیں. پر ریاض کے
جسم کو شاید تڑپنے کی بھی مہلت نہیں ملی .اسکے چہرے پر ایک

ابدی سکون تھا اسکا اضطراب ختم ہوچکا تھا اور شاید سب کا بھی .زندگی پھر لوٹ آئی آگے
کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا. جب ہی تو اسکے گھر سے بین کی آوازیں بلند ہونے پر بند گھروں
.کے دروازے ایک ایک کرکے کھلنے لگے

الیکٹرانک میڈیا اور اردو ادب پر اسکے اثرات

ادب انسانی زندگی کا عکاس اور ترجمان ہے یہ کسی بھی قوم کے تہذیب و تمدن اور معاشرتی ارتقاء کی نشاندہی کرتا ہے ہمارے درمیان موجود تکنیکی و ذہنی ہم آہنگی انہی تحریوں کا طلسم ہے جسکے حصار سے باہر جانا ممکن نہیں. شاعر اور ادیب کو معاشرے کا کاہل یا باغی فرد سمجھنا بھی درست نہیں اسکا تعلق ملک کی سائنسی ترقی اور عمرانی علوم کے فروغ اور بہتر معاشرے کی تخلیق سے بہت گہرا ہوتا ہے جبکہ زبان کی ترقی و ترویج کا انحصار دو باتوں پر ہوتا ہے۔

ایک تو اسکا ادبی سرمایہ اعلی معیار کا ہو دوسرے مختلف علوم و فنون پر مبنی معلوماتی بیش قیمت کتبی ذخیرہ

اردو کو ایک قدیم زبان کے حوالے سے روشناس کرانے کا سہرہ مولوی عبدالحق کی سرکردگی میں انجمن ترقی اردو کے سر جاتا ہے اسکے علاوہ پرنٹ میڈیا جسکا آغاز ہندوستان میں جیمس آگسٹس ہکی نے بنگال گزٹ انگلش ۱۷۸۰۔

پنڈت جگل کشور شرما شکلا نے اونت مارتنڈ ہندی ۱۸۲۶ کلکتہ اور دہلی سے

مولانا باقر علی نے کیا دو دہائیوں تک ادب کی ترقی وترویج کے لیے کامیابی سے کام کرتا رہا اردو ادب میں ایسے شہ پارے تخلیق ہوئے جو آج بھی اسکی جان ہیں مولوی عبدالحق، سرسید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، اکبر الہ آبادی، حالی، آزاد، انیس، شبلی نعمانی، اسمٰعیل میرٹھی، داغ، جگر اور اقبال جیسے نام سامنے آئے غرض ایک طویل فہرست اس پس منظر میں شامل ہے پھر آہستہ آہستہ بدلتے وقت کے ساتھ اس میں کاروباری عنصر شامل ہوگیا پرنٹ میڈیا پر اشتہارات کی بھرمار نے عام قاری کو الیکٹرانک میڈیا کی طرف متوجہ کردیا ریڈیو پھر ٹی وی اور بڑے پردے نے اپنا رول ادا کرنا شروع کردیا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس نے اپنی ان حدود سے تجاوز کرلیا جو ہندو پاک کی تہذیب و ثقافت اور اقدار و روایات کی وراثت تھی موجودہ نسلیں کمرشل ازم اور کنزیومر بیسڈ ویلیوز میں پروان چڑھ رہین ہیً جو کہ سرمایہ داری نظام کی منافع خوری سے متعلق ہیں اور یہ ادب و صحافت سے متعلق ہر شعبے کا احاطہ کامیابی سے کررہا ہے. جس میڈیا کو معاشرے کی عکاسی اور ادب کی ترقی وترویج کے لیے کام کرنا چاہیے تھا وہی اس سے دوری کا سبب بن گیا غیر معیاری اور غیر اخلاقی پروگرامز فلموں شوز اور اشتہارات نے یہاں بھی اپنا قبضہ جمالیا جن سے نئی نسل بخوبی آگاہ تھی پر اس بات سے لاعلم کہ ادب کے حوالے کہاں اور کس موضوع پر کہاں تک کمپیوٹر ریسرچ ہورہی ہے یا ہوچکی ہے علمی کتبی ذخیرہ کاروباری منافقت کی نذر ہوگیا اور عام پہنچ سے بہت دور جس سے ہر سال دو ڈیسیبل صوتی

آلودگی میں اضافہ ہونے لگا پھر نیٹ کے ساتھ کمپیوٹر کی آمد نے بھی انسانی زندگی پر اپنے اثرات مرتب کیئے لیکن اسکے مفید یا مضر ہونے کا انحصار اس بار انسانی صوابدید پر مکمل طور پر تھا طویل مسافتوں پر قائم جامعات کے روابط آسان ہوگئے. ئی ریسرچ اور ادبی و سائنسی موضوعات سے متعلق کتب تک رسائی آسان ہوگئی یہاتک کہ اسمارٹ فونز نے پوری دنیا کو گویا ایک عام آدمی کی پاکٹ میں سمیٹ دیا.

اس نے بھی زبان و ادب کی ترقی مین اہم رول ادا کیا مختلف زبانوں مین اردو ادب کے تراجم مزید آسانی سے ہونے لگے آج اردو زبان سیکھنے والوں میں اضافہ ہو رہا ہے کوئ قومی زبان کے طور پر، کوئ علمی و ابی اور تحقیقی ضروریات کے پیش نظر تو کوئ بین الاقوامی روابط کی زبان کی حیثیت سے اسیے سیکھنا چاہتا ہے.

ہم اکثر اپنے فرسودہ تعلیمی نظام کا رونا روتے ہیں ٹھیک ہے اسے بدلنا کسی فرد واحد کے اختیار میں نہیں پر ہم اسے جدید سائنٹیفک طریقون سے ہم آہنگ کرکے کسی حد تک بہتر بنا سکتے ہیں کوئ بھی سائنسی تحقیق انسانی ذہن کے بنا روبہ عمل نہیں الیکٹرانک میڈیا کا مثبت استعمال ہماری اپنی سوچ اور اقدار پر منحصر ہے ئی نسل میں سیکھنے کا شعور موجود ہے ہم اسے الزام نہین دے سکتے

ضرورت ہے بس صحیح خطوط پر اسکی تربیت کی اپنے معمولات زندگی پر اسے حاوی نہ کریں ایک ٹائم ٹیبل ترتیب دین اپنی زبان و ادب اور اخلاقی و معاشرتی تربیت کا آغاز آپ اپنے گھر سے باآسانی کر سکتے ہین میڈیا آپکے بہترین ساتھی کے طور پر سامنے آئے گا اسکو غیر اخلاقی سرگرمیوں کا گڑھ بنانے کے بجائے پوری دنیا مین اپنی ادبی و ثقافتی تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے استعمال کریں درس وتدریس کے فرسودہ طریقون کو رد کرتے ہوئے اسے نئی جدتوں اور ضروریات سے ہم آہنگ کرکے طالبعلم کی دلچسپی کا سامان پیدا کیا جائے ہر طرح کے مضامین اور شعری موضوعات کے لیے پرنٹ میڈیا سے لے کر الیکٹرانک میڈیا تک مدد لی جائے بلا ضرورت ایس ایم ایس ، مختلف قسم کی میڈیا چاٹ اور میسیجس کا رجحان بھی کم کیا جاسکتا ہے ہوم ورک کے طور پر دیا جانے والا کام کے لے طالبعلموں میں انھیں مراسلے یا مختلف ویب سائٹ پر اپ لوڈ کرنے کی تحریک دی جائے ہوسکتا ہے کل ان مین ہی سے کوئی بہترین ادیب، شاعر یا صحافی کے طور پر سامنے آئے۔

اگر اسکے بڑھتے ہوئے ریشو کا جائزہ لیا جائے تو دنیا کی کل آبادی کا محض 0.2% حصہ داری رکھنے والے یہودیوں کی میڈیا میں 98% کی شراکت داری ہے جبکہ لٹریچر کے 22 نوبل انعامات بھی انھوں نے ہی جیتے ہیں کیا یہ بات قابل غور نہین کہ ہندوستان% مین آبادی مین 15% حصہ دار برہمنون کا ہندوستانی میڈیا میں 59% کی حصہ داری ہے دلچسپ بات تو یہ بھی ہے کہ ہندوستان مین ہی 2% عیسائ

بھی انگریزی میڈیا میں 98% ہے المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی جو 13% مصدقہ اور 25% غیر مصدقہ ہے کا اگر 2% بھی تخمینہ لگایا جائے تو بھی وہ ہندی اور اردو میڈیا کو شامل کرکے اور انگلش میڈیا میں شمولیت نہ ہونے کے برابر جبکہ پاکستان میں یہ ریشو مزید کم ہو جاتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی نئی نسل میں ادبی زوق پیدا کرنے کے لیے کام کریں ادب کو بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنی کی سادگی حقیقت پسندی اور اخلاقی بنیادون پر اسکی افادیت اپنانے کی کوشش کریں نئے لکھنے والوں کی جدید خطوط پر غیر جانبدارانہ تربیت اور حوصلہ افزائی کریں ہمیں اس اسلوب کو اختیار کرنا ہوگا جو ہمیشہ سے ہماری روایات کا حصہ رہا ہے خواہ وہ کسی بھی شعبے ہائے زندگی میں کسی بھی طریقے سے ہو تبھی ہم اقوام عالم مین ایک مضبوط اور ترقی یافتہ قوم کے طور پر ابھریں گے.

کیا محبت بہت ضروری تھی

بہت دیر ہو گئی گھر جانا ہے بلقیس نے دھیرے سے اپنے اوپر سے سیف الدین کے بازو ہٹاتے ہوئے کہا.....

بس تھوڑی دیر اور پھر چلی جانا سیف الدین نے بچوں کی طرح منہ بسورتے ہوئے کہا اسے بلقیس کا اسطرح جدا ہونا قطعی پسند نہیں آیا تھا...

جانا تو ہے ابھی نہیں تو تھوڑی دیر بعد بھی بلقیس نے اپنے بے ترتیب لباس اور الجھی لٹوں کو سنوارتے ہوئے بولی

وہ ایک درمیانے قد اور چھریرے بدن کی حامل عورت تھی. سرخ سفید رنگت جو ابھی مزید گلابی ہو رہی تھی. بڑی بڑی آنکھیں جن میں وہ بے دردی سے کاجل کی چوڑی چوڑی لکیرین کھینچ دیا کرتی تھی.. میں محبت کا خمار صاف جھلک رہا تھا. اسکے سیب کی قاش جیسے ہونٹوں پہ ایک فاتح مسکراہٹ چھلک رہی تھی جیسے مانو کوئی جنگ جیت کے آئی ہو.. دوسری طرف سیف بھی کچھ کم نہیں تھا گندمی رنگت والا بیس کے لگ بھگ عمر کا خوبرو نوجوان تھا. بادامی آنکھیں اور گھنی مونچھوں تلے مسکراتے لب، اور یہ..... لمبا اونچا قد. اور پھر شاید یہ عمر ہی کچھ ایسی ہوتی ہے چمن مین اترتے بہار کے نئے موسم کی طرح.....

مطلب کہنا کیا چاہتی ہو؟ سیف کے لہجے سے الجھن جھلک رہی تھی....

دیکھو . . سیف تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں ایک شادی شدہ تیس سالہ عورت ہوں جو پانچ بچوں کی ماں بھی ہے . . دوسری طرف تم نے ابھی سمجھو جوانی کی حدود میں پہلا قدم ہی رکھا ہے تمہارے گھر والوں کو ہمارے بارے میں پتہ چلا تو پتہ نہیں کیا رویہ ہوگا انکا جو بھی ہو پر ہمارے حق میں تو کبھی بھی نہیں . . . . بلقیس نے منفی انداز میں . . . سر ہلایا . میرا شوہر کبھی مجھے طلاق نہیں دے گا اچھی طرح واقف ہوں اس سے پھر پھر ہم کیا کریں میں نہیں مانتا عمروں کا فرق مجھے تمہارے سوا کچھ نہیں دکھتا میں ہر قیمت پر تمہیں پانا چاہتا ہوں اس نے پھر سے بلقیس کو زبردستی بھینچ لیا

.جوانی کے سرکش منہ زور جذبے اپنا سر اٹھا رہے تھے

ہر قیمت پر . . . . . بلقیس

. . ہاں ہر قیمت پر سیف کا لہجہ پر عزم تھا

بلقیس نے مطمئن ہوکے خود کو اسکے پھر حوالے کر دیا گھر داخل ہوتے ہی جیسے اس پر چڑ چڑاہٹ سی سوا ہو گئی منہ بسورتے بچوں کی طرف اس نے ایک بار بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا

ماں کہاں تھی تو . . . منا بہت دیر سے رو رہا تھا اور . . . اور . . . . ہم سب کو بھی بہت بھوک لگ رہی تھی اسکی تیرہ سالہ بڑی بیٹی نے ڈرتے ڈرتے کمزور سی آواز میں شکوہ . . . کیا

یہیں تھی اور کہاں جاؤں گی مرنے تم سب ہو نہ مری جان سے جونک کی طرح چپٹے
ہوئے ٹھہرو دیتی ہوں کھانا
اس نے کھسیاتے ہوئے بے دلی سے ہانڈی چولہے پر رکھی. اور دوسری طرف سرعت سے
... روٹیاں ڈالنا شروع کردیں
ابھی بچوں کو کھانا دینے کے بعد وہ برتن سمیٹ ہی رہی تھی کہ اسکا شوہر گھر میں داخل
ہوا. وہ بلقیس سے عمر میں دوگنا زیادہ تھا.بڑھتی عمر نے اسکے جسم پر نقاہت طاری کردی
تھی. چھوٹا قد حد سے زیادہ سفید بال، نحیف جسم، قدرے سیاہی مائل چہرہ اور اسپر دمے
کا مریض ... وہ ابھی ابھی اپنی گدھا گاڑی پر کہیں سیمنٹ کی بوریاں ڈھو کر آ رہا
تھا... بلقیس بلقیس کھانا دے مجھے جلدی سے ... بہت تھک گیا ہوں بھوک بھی بہت ہے
شاہد چلایا تو بلقیس نے اسکے سامنے تقریبا کھانا پٹختے ہوئے کہا پہلے منہ ہاتھ تو دھو
لے .. پتہ نہیں کیوں اسے دیکھ کے اسکے چہرے پر شدید بے زاری کی کیفیت آ جاتی
. تھی. اور اب تو اسکا ذہن شاہد سے چھٹکارا پانے کا طریقہ سوچ رہا تھا
میں کسی بھی قیمت پر تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں .... سیف کی آواز اسکے ذہن مین
گونجی تو اس نے چونک کے شاہد کی طرف دیکھا مبادا وہ اسکے چہرے کا حال نہ پڑھ
لے. رات کو بھی جب شاہد نے اسکے پاس آنے کی کوشش کی تو اس نے بڑی بے دردی
سے اسکا ہاتھ جھٹک دیا. شاہد فطرتا سادہ طبیعت اور ٹھنڈے مزاج کا آدمی

تھا. وہ اسکے رویے کو دن بھر کی تھکاوٹ خیال کرتے ہوئے منہ موڑ کے سو گیا. جبکہ بلقیس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی. کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے سرکشی اسکا وصف ہے اور کچھ بھی کر گزرنے کا جذبہ اپنے انجام سے بے پروا
محبت میں مبتلا جانوں کو آنے والے خطرات سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے. اس نے ایک نظر چاروں طرف دوڑائی اسکی کشادہ جھگی میں ایک طرف سارے بچے گہری نیند سو رہے تھے. شاہد کے خراٹے بھی اب دھیرے دھیرے بلند ہونے لگے تھے. اس نے شدید نفرت کے احساس سے ہونٹ سکیڑے شیطانی خیالات اسے اپنی گرفت میں لینے لگے. اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا سوائے اسکے کہ اگر اس نے آج شاہد سے نجات حاصل نہیں کی تو وہ سیف کو ہمیشہ کے لیے کھو دے گے تبھی اسنے ایک فیصلہ کیا اور اپنا تکیہ اٹھا کر اسپر فوری عملدرآمد کرنے لگی .....
یہ کیا کیا تو نے..... سیف بہت گھبرا گیا تھا بلقیس کی کال نے ہوش اڑا دیئے تھے اسکے
...
میں کچھ نہیں جانتی صرف یہ بول مجھے چاہتا ہے کہ نہیں اگر جواب ہاں میں ہے تو آ جا اور میری مدد کر .....
دوسری طرف سے بلقیس بولی
اور بچے انکا کیا کیا تو نے .... سیف
وہ سب اسکول گئے گھر میں اور کوئی نہیں ہے آ جا بس جلدی سے .... یہ کہہ کے اسنے کال کٹ کر دی

سیف نے ارد گرد دیکھا وہ قدرے خوفزدہ تھا کسی نے میرے چہرے سے محسوس تو نہیں کیا اسنے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہیں تھیں. وہ تیزی سے بلقیس کے گھر پہنچا تو وہ دروازے پر ہی کھڑی تھی سیف کو لے کر وہ اپنے پلنگ کے پاس آ گئی جہاں شاہد کی لاش پڑی تھی

...کیا کیا تو نے سیف نے اپنا سر پکڑ لیا

تو اور کیا کرتی نہ اس بڈھے نے طلاق دینی تھی اور نہ ہی مرنا تھا بہت سخت جان تھا تکیہ لیا اور دبا دیا منہ پر رکھ کے اسکے چہرے پر شدید نفرت تھی

.....پھر بھی کسی نے پوچھا تو کیا کہے گی

.....یہی کہ بڈھا دمے کا مریض تھا سانس اکھڑ گئی

یہ کہنا کافی نہیں ہوتا میری جان اور پولیس کی تفتیش ہوئی تو جانتی ہے کیا ہوگا قتل کیا ہے تو نے قتل موت سزا ہے اسکی بس موت وہ خیالوں میں ہی لرز گیا نہیں نہیں ہونے دوں گا ایسا چل جلدی سے بوری میں ڈالتے ہیں اسکو اور کہیں دور پھینک آتے ہیں.

دونوں نے بمشکل شاہد کے نحیف وجود کو بوری میں سمیٹا اور گدھا گاڑی پر لادا بلقیس پیچھے بیٹھی اور سیف نے آگے بیٹھ کے گدھا گاڑی کو ہانکا وہ ابھی ناکے پر ہی پہنچے تھے کہ ناکے پر کھڑی پولیس نے انھیں روک لیا اوئے کدھر کی سواری ہے.... حوالدار نے کرختگی سے پوچھا..

کچھ نہیں بس اناج ہے وہی لے کے جا رہے ہیں اور وہ عورت کون ہے ووٹی ہے تیری

جی جی گھر والی ہے میری

اسکے لہجے سے گھبراہٹ صاف نمایاں ہو رہی تھی. انکو جانے کا اشارہ کرکے حوالدار جلدی سے اپنی پولیس کی گاڑی کے پاس آیا اور وائرلیس نکال کے اگلے ناکے پر موجود چوکی سے رابطہ کرنے لگا یار یہ گدھا گاڑی پر ایک جوڑا کچھ سامان کے ساتھ نکلا ہے ذرا دیکھو تو جاتے کہاں ہیں

.....اوئے نہیں مجرم نہیں ہیں بس شک سا ہوا مجھے دھیان رکھنا اچھا

جب وہ دونوں بوری کو دریا میں دھکیلنے لگے تو اگلی چوکی نے جوانوں نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا بوری سے لاش برآمد ہو چکی تھی آنا فانا یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی صلاح الدین نے اپنے بیٹے کے گرفتار ہونے کی خبر سنی تو بے چارگی سے اپنا ماتھا پیٹ لیا. ہائے کیا کیا تو نے سیف الدین غارت کردی میری عمر بھر کی کمائی

سوائے رونے پیٹنے یا فریاد کرنے کے سوا وہ کر ہی کیا سکتے تھے تفتیش ہوئی معاملہ عدالت میں پیش ہوا بلقیس کو سزائے موت سنادی گئی جبکہ سیف کی سزا اسکی معاونت کرنے کے جرم میں کچھ کم بھی نہیں تھی.

صلاح الدین بیٹے کی سزا میں کمی کرانے کے لیئے در در کی خاک چھاننے لگے. اور ایک دن وہ وکیل کے ساتھ بلقیس سے بھی ملنے گئے. سن جو کچھ کیا تیرا کیا میرا بیٹا بے گناہ ہے وہ کیوں یہ سزا بھگتے ہم نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی تھی؟

بلقیس نے خاموشی سے انکی سمت دیکھا

محبت کرتی ہے اگر سچ میں تو مت برباد کر اسکو ابھی بھی وقت ہے دیکھ کل پیشی ہے ابھی بھی اپنا بیان بدل لے کہہ دے کہ سیف کا کوئی قصور نہیں اس سارے واقعے میں اسے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ بوری میں کیا ہے وہ روتے ہوئے اسکے پاؤں میں گر گئے

ارے کیا کر رہے ہیں بابا آپ . . وہ اپنے قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی

ٹھیک ہے آپ جیسا کہتے ہیں ویسا ہی ہوگا اور تھکے تھکے قدموں سے واپس لوٹ گئی؛

.جہاں کوٹھری کے گھپ اندھیرے اسکے منتظر تھے

کبھی نہ ختم ہونے والے اور اس سے کہیں زیادہ سناٹا اسکی روح کے اندر تھا . . پتہ نہیں کیا ہوگا سیف . .

اس نے سوچا اور میرے بچے بچوں کا خیال آتے ہی جیسے اسکا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا وہ بکھر رہی تھی ٹوٹ چکی تھی اسکی چیخیں زندان خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر پلٹ رہیں تھیں. گھپ اندھیرا

.اب اسکی روح کے اندر سرایت کر رہا تھا محبت اپنا خراج وصول کر چکی تھی

گورنمنٹ آف پاکستان نے جہاں دوسرے سزائے موت کے قیدیوں کی سزا میں نرمی کی وہیں بلقیس کی سزا کو بھی عمر قید میں بدل دیا گیا سیف الدین کو سات سال کی سزا ہوئی رہائی کے بعد سیف نے گھر بسا لیا اسکے چار بچے بھی ہین آج جب مین انکی کہانی کو زیر قلم تحریر کر رہی ہوں صلاح الدین انتقال کر چکے ہیں سیف

اپنی بڑی بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہے بلقیس مر چکی ہے یا ابھی بھی اسی کال کوٹھڑی میں اپنے ارمانوں کی لاش لیئے زندہ ہے میں نہیں جانتی اور نہ ہی یہ کہ بعد میں اسکے بچوں کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کس حال میں ہیں؟

کوشش تو بہت کی کہ تحریر مختصر رہے اسلیئے اسکے ثمرات پر بحث آپ پر چھوڑتی ہوں

اس شعر پر

زندگی سے سوال ہے میرا

کیا محبت بہت ضروری تھی؟

آج پھر صبح ہی سے پورے گھر کا ماحول کشیدہ تھا. دلوں کی رنجش سے جیسے درودیوار بھی سہمے سہمے رنجیدہ نظر آتے تھے. معصوم بچے خوف زدہ گھر کے کونوں کھدروں میں دبکے بیٹھے تھے. شہزاد کا غصہ اپنے عروج کو چھو رہا تھا، اسکا بس جیسے کسی چیز پر نہیں چل رہا تھا، کھانے کے برتن اٹھا کر پھینک دیئے، ٹیبل کرسی سب ہی تو اوندھے پڑے ہوئے تھے. اور زبان بے وجہ گھن گھرج کے ساتھ زہریلے الفاظ اگل رہی تھی. "مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہے". "جاؤ دفع ہوجاؤ میرے گھر سے ان کے ساتھ جن کے ساتھ تمہارا یارانہ ہے". "جو تمہیں سنبھال سکتے ہیں. تمہاری فکر کرتے ہیں." شہزاد کے ان الفاظ پر ماہین نے شدید دکھ کے ساتھ آنسوؤں سے ڈبڈبائی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسکی طرف دیکھا، جو اس وقت شدت ضبط سے حد درجہ سرخ ہو رہیں تھیں. شہزاد کس کے پاس چلی جاؤں. ایک کمزور احتجاج ایک سوال کے ساتھ ساری عمر تمہارے ساتھ تمہاری مرضی سے گذاری. ہر معاملے مین تمہاری مرضی تمہاری خواہش کو مقدم رکھا. اس گھر کو سجایا سنوارا، تم لوگوں کے چہرے پر ایک مسکان دیکھنے کے لیئے اپنی ہر خوشی قربان کردی، سب سے ناطہ توڑا صرف تمہاری خوشی کے لیے اور آج کہتے ہو یہ گھر تمہارا ہے اس گھر پر، ان بچوں پر

میرا کوئی حق نہیں کیا گناہ کیا ہے میں نے ؟؟ جو تم نے ایک دم ہی مجھے سزا سنا دی. اگر تمہیں میرا لکھنا پسند نہیں تو ٹھیک ہے نہیں لکھتی پر بے اعتباری اور شک تو نہ کرو. یہ ٹھیک ہے ایک رائٹر کی حیثیت سے لوگ مجھ سے رابطہ کرتے ہیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں میرا یقین کرو. اسکی صفائی نے شہزاد کے غصے پر جلتی پر تیل جیسا کام کیا اور اسکی زبان مغلظات بکنے لگی. انکا جھگڑا مسلسل بڑھتا ہی جا رہا تھا یہاں تک کہ شہزاد نے ماہین کی گردن سختی سے پکڑ لی. اسکی آنکھیں ابلنے لگی. بچے باپ کے پیروں سے لپٹ گئے اور ماں کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگے. پاپا پلیز وہ رو رہے تھے، فریاد کر رہے تھے آخرکار شہزاد نے اسکے وجود کو بیڈ پر پھینکا اور تیزی سے چلتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا. ممی پاپا گندے ہیں آپ کو مارتے ہیں نا. شہلا ماں سے روتے ہوئے لپٹ گئی تو ماہین نے اسے پچکارا نہیں بیٹا ایسے نہیں کہتے، ابھی وہ غصے میں ہیں ناں، جب انکا غصہ اتر جائے گا تو وہ پھر سے آپکے پہلے والے پاپا بن جائیں گے. بچوں کے ذہن سے ابھی کچھ دیر پہلے ہوئے واقعہ کا اثر کم کرنے کے لیے وہ پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی. بکھرے بال سمیٹے، جلدی جلدی منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اور سرعت کے ساتھ گھر سمیٹنا شروع کر دیا. تھوڑی ہی دیر میں پورا گھر پہلے کی طرح سلیقے سے سمٹا ہوا دکھنے لگا بچے بھی سب بھول کر ٹی وی پر کارٹون دیکھنے میں مشغول ہوگئے. بچوں کو مصروف دیکھ کر ماہین کچن میں آ گئی. اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی. ہانڈی میں چمچہ چلاتے ہوئے

انتہائی ضبط کے باوجود اسکے گال پر پھر چند آنسو لڑھک آئے. میرا قصور کیا ہے آخر ؟؟
.اسکا ذہن اسکے سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیئے ماضی ٹٹولنے لگا

شہزاد اور ماہین کی شادی بڑوں کی رضامندی اور خوشی سے ہوئی، ان دونوں نے بھی اس نئے رشتے کو خوشی سے قبول کیا. شادی کے شروع کے سال کے بعد جیسے ایک گڑھے میں پانی کھڑا ہوجائے اور اسے باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملے تو اس میں تعفن، بدبو اور غلاظت پیدا ہوجاتی ہے. یہی حال شہزاد کا ہوا وہ اندر ہی اندر کڑھنے لگا. ماہین جب کوئی کامیابی حاصل کرتی تو اسکے دمکتے چہرے کو دیکھ کے اسکے دل میں نا سمجھ اندیشوں کے ناگ سر اٹھانے لگتے. ماہین کی طرف سے اب شہزاد لاپرواہی برتنے لگا، بات بات پر غصہ چڑچڑاہٹ اسکا معمول بن گئے تھے. معمولی معمولی باتوں پر گھر میں .فساد کھڑا ہوجاتا، آتے جاتے وہ ماہین کا سیل فون چیک کرتا

جبکہ ماہین تو شہزاد کے سارے رنگوں میں اپنا آپ گھول چکی تھی، دھیرے دھیرے اسکے من میں شہد کے قطرے ٹپکتے تھے اور وہ ایک انوکھی مٹھاس مین ڈوب گئی تھی. ہر وقت گاتی گنگناتی خوش رنگ لباس سے سجی سلیقے سے سنوارا ہوا روپ خود اعتمادی سے چمکتا ہوا چہرہ سب اسے مڑمڑکے دیکھتے اور شادی کے کچھ سالوں کے بعد ہی وہ کچھ پیارے پیارے خوبصورت بچوں کی ماں بنی تو جیسے پوری ہی

کائنات کی مالک بن گئی. اب اسکی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوگیا. شہزاد کو بھی اس سے شکوہ رہنے لگا کہ وہ اب اسے پہلے کی طرح پورا وقت نہیں دے پاتی تھی. تب وہ ایک بھرپور مسکان کے ساتھ اسے یقین دلاتی کہ یہ سب اسکے ہی لیئے ہے. شہزاد فطرتا تنہائی پسند تھا اسے لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا قطعی پسند نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ وہ ماہین کو بہت کم ہی کہیں لے کر جاتا، اسطرح دھیرے دھیرے ماہین اپنے تمام رشتے داروں سے کٹتی چلی گئی. مگر اسنے کبھی اس بات کا شکوہ نہیں کیا. ایک دن گھر کی صفائی ستھرائی ہونے کے دوران شہزاد کے ہاتھ ماہین کی کالج کے دنوں کی ڈائری لگ گئی. تب اس پر آشکار ہوا کہ ماہین کو شاعری لکھنے کا بہت شوق تھا.

ماہین تم لکھتی کیوں نہیں؟؟

شہزاد کے اس اچانک سوال پر ماہین نے چونک کے اسکی طرف دیکھا.. میں نہیں..... وہ سب پرانی بات ہو گئی، اب ان سب کے لیئے میرے پاس بالکل وقت نہیں. یہ کہہ کر وہ روم سے باہر گلدان دھونے چلی گئی، پر شہزاد دیر تک سوچتا رہا. دوسرے ہی دن وہ ماہین کے لیئے ایک اسمارٹ فون اور نیٹ ڈیوائس لے آیا

یہ کیا شہزاد ؟؟ . . . یہ اسمارٹ فون ہے اور یہ نیٹ کی ڈیوائس، دیکھو تم جب بھی فری ہو اسے آسانی سے یوز کر سکتی ہو. میں نے دیکھا ہے تم سارا دن گھر میں لگی رہتی ہو اپنی طرف بالکل دھیان نہیں دیتی، میں چاہتا ہوں تم اپنے لیے وقت نکالو اپنے شوق کو ہماری خاطر ختم نہیں کرو، اگر بائی پوسٹ لکھ کر بھیجنے کے لیئے وقت نہیں تو آن لائن لکھو. شہزاد کی محبت بھری ضد نے ماہین کے ایک نئے کیرکٹر کو وجود دیا.

اسنے خود کو ایک آن لائن رائٹر کے طور پر دنیا میں متعارف کرانا شروع کیا.

دیکھتے ہی دیکھتے اسکا یہ شوق اسکی پہچان بن گیا اسکی تحریروں کو پسند کیا جانے لگا، اسے ایونٹس میں مدعو کیا جانے لگا، شروع شروع میں تو شہزاد نے ماہین کی حوصلہ افزائی کی پر جلد ہی وہ اپنی تنہائی پسند طبیعت کے باعث اس سب سے بے زار ہونے لگا . . . . . اسے دوسرے لوگوں کا ماہین کے کنٹیکٹ میں آنا کھلنے لگا.

پتہ نہیں کیوں جب وہ ماہین کو روتے دیکھتا تو آسودگی محسوس کرتا. ماہین اور اسکا ازدواجی رشتہ صرف جسم کی لطافت کی حد تک محدود ہوکے رہ گیا تھا وہ اب جب بھی اسکے قریب آنے لگتی تو اسے بے دردی سے جھڑک دیتا . . . . .

ماہین اسکے رویے کی اس تبدیلی کو محسوس کر رہی تھی یہی وجہ تھی کہ اب اس نے اپنے لکھنے کے عمل کو سست کر دیا تھا. اسکی کوشش یہی ہوتی..... جب شہزاد ہو وہ دوسری ایکٹیویٹیز سے دور رہے. سارا دن گھر میں مصروف رہنے کے باوجود وہ رات کو دیر تک جاگتی مبادا شہزاد کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑ جائے مگر وہ اس سے یکسر بے نیاز اپنے ادھورے دفتری کام رات گئے تک نمٹاتا رہتا یا پھر موبائل پر بلیو سینز میں غرق رہتا. ماہین بے چاری اسکے اس رویے پر کڑھنے کے سوا کیا کر سکتی تھی.

اسے ایسا لگتا جیسے کمرے میں دوسرا کوئی وجود ہی نہ ہو پیار دینے کی جزا اور نہ دینے کی سزا میں بالکل بھگوان جیسا تھا اسکا پتی دیو، خوش ہو تو بھرا بادل روٹھ جائے تو پیاسی ندی جسے کوئی سروکار ہی نہ ہو اسکا... بدن ایک زمین تھا شہزاد کے لیے وہ اپنے بدن کے سوا اور کچھ نہیں رہی تھی اس کے لئیے. اور اب تو جیسے حد ہی ہو گئی تھی اب تو وہ سامنے سے اس پر الزامات کی بھرمار کرتا. اسکے ذاتی تشخص کی دھجیاں اڑاتا. آپسی رنجش کا اثر اب بچوں پر بھی دکھنے لگا تھا.

آہ! ہانڈی میں کرچھی چلاتے اچانک سالن کے گرم چھینٹے ماہین کے ہاتھ پر آ گئے.

آخر ایسا بھی کیا کبھی کبھی تو دل کرتا ہے شہزاد کے ہر اندیشے کو سچ

ثابت کردوں، اسکے اندر سرکش جذبے سر اٹھانے لگے. وہ کیا سمجھتا ہے میں اسکے بغیر کچھ بھی نہیں جوان ہوں، خوبصورت ہوں، پڑھی لکھی ہوں، میرا ایک اپنا وجود ایک اپنا مقام ہے. میں آج بھی اپنی ایک علیحدہ زندگی بنا سکتی ہوں. مجھے اسکے لیئے دن رات ایک کرنے کا کیا صلہ ملا؟؟؟ ہر وقت کی تذلیل.... جھڑکیاں، بے اعتباری شک، آنسو کیا وہ میرے گزرے برسوں کے ہر پل کا حساب لوٹا سکتا ہے. انہی سوچوں میں غلطاں وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پر آ بیٹھی اور سفید کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگی.
تبھی اسنے محسوس کیا کہ کاغذ پر کھنچی لکیریں آپس میں گڈمڈ ہو رہی ہیں.
سنو ماہین کیا ہوا؟؟ ..... کیوں رو رہی ہو؟؟؟ اس نے حیرت سے اس ننھے وجود کو دیکھا جو ابھی سامنے پڑے کاغذ سے باہر نکل آیا تھا. اسکی شرارت سے بھری آنکھیں چمک رہی تھیں. کک کون ہو تم... وہ ڈر ملی حیرانگی سے ہکلاتے ہوئے بولی... یہاں کیسے آئے اور تم اتنے چھوٹے کیوں ہو؟؟؟ ابھی وہ اس سے استفسار کر ہی رہی تھی کہ دھیرے دھیرے اس کے سامنے دھرے کاغذ میں سے کئی اور کردار اسکی کھینچی آڑھی ترچھی لکیروں میں سے نکل کر اس کے سامنے آ گئے..... آپ سب ؟ کون ہو.... ؟؟؟

تو ان میں سے ایک نوجوان نے جواب دیا ہم آپکی کہانیون کے کیرکٹر ہیں..... کیا ہوا اب آپ لکھتی کیوں نہیں.... دیکھو میری کہانی بھی کب سے ادھوری پڑی ہے اسنے منہ بسورتے ہوئے ایک لکیر کی طرف اشارہ کیا.... تبھی دو پیاری سی لڑکیاں... ایک گہری لکیر میں سے نکل کر اماہین کے سامنے آئیں ..، اور وہ کومل آواز میں بولیں.. ماہین آپی ہم سب چاہتے ہیں کہ آپ لکھنا نہیں چھوڑو، دیکھو آپ نے ان سب کیرکٹرز کو زندگی دی. اسکی وجہ سے آج لوگ آپکو جانتے ہیں... اور آپکو مزید پڑھنا چاہتے ہیں.... آپکی شاعری آپکے افسانوں میں دن بدن نکھار آرہا ہے... پھر کیوں؟؟؟؟ ماہین نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں مسلیں تو کاجل پھیل کر اسکے گالوں تک آگیا. وہ رندھے ہوئے لہجے کے ساتھ سختی سے بولی نہیں.... میرا شوق اب میرے گھر کے آڑے آرہا ہے، اس سے پہلے کہ میں جذبات میں آکر کوئی انتہائی قدم اٹھالوں مجھے اس سب میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا. اسنے زبردستی سب کو سمیٹنے کی کوشش کی. جیسے انہیں واپس لکیروں میں دھکیلنا چاہتی ہو.... اور ناکامی، تنزبزب اور بے بسی سے جھنجھلا کر اس نے سامنے بکھرے صفحات اور اپنی ڈائری کو بے دردی سے پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا. اور سر کرسی کی پشت پر ڈال کر اس نے آنکھیں بند کر لیں... کہ تبھی ڈسٹ بن میں ہلچل شروع ہو گئی... اس نے دیکھا کوئی کردار ڈائری کے گتے کے نیچے سے تو کوئی پھٹے کاغذ کے پیچھے سے نکل کر سامنے

آنے لگے ... وہ حیرت زدہ رہ گئی یہ دیکھ کر کہ .. ان کے وجود سالم تھے .. صفحے تو پھٹ گئے تھے .... لیکن وہ فیصلہ کر چکی تھی .... اسنے یہ شور احتجاج یکسر نظر انداز کر دیا .... اور اس نے سوچا کہ اگر شہزاد پہل نہیں کرتا تو کیا ہوا میں تو کر سکتی ہوں ایک بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ میں ایک ماں بھی ہوں. میری خدمت اور قربانی کا صلہ بھلے ہی نہ ملے مجھے .... مگر میرے فرائض میری زمہ داری میں شامل ہے یہ گھر، بچے اور شوہر میرے لیئے زیادہ اہم ہیں اور انکے لیئے میں اپنی ذات اور اپنے ہر شوق کی نفی کر سکتی ہوں. اسنے اپنے اندر اٹھتی چیخوں کو سختی سے اندر ہی اندر گہرائی میں دبا دیا .تھا اور ردی کی ٹوکری سے گونجتے نوحوں کی طرف سے اپنے کان بند کر لیئے

تبھی دروازے کی ڈور بیل بجی. دوسری طرف شہزاد تھا. ماہین بھوک لگی ہے جلدی سے کھانا لگاؤ کچھ دیر پہلے کے جھگڑے کا اسکے چہرے پر شائبہ تک نہیں تھا. جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو... ماہین نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا.... وہ بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا... تبھی شہزاد کی نظر ڈسٹ بن میں پڑے پھٹے کاغزوں اور ڈائری پر پڑی ..... اس نے غم زدہ حیرت سے ماہین کی طرف دیکھا... جیسے پوچھ رہا .....ہو یہ کیا کیا ماہین

تو ماہین نے نظرین چراتے ہوئے کہا... کچھ نہیں یہ شوق تھا... جسے نوچ کر

...پھینک دیا..... اپنی خاطر... تمھاری خاطر اور بچوں کی خاطر

وہ ایک لمحہ جس میں کیئے گئے فیصلے نے اسکی زندگی کے اندر زہر گھول دیا تھا. آج اس پر آگہی کے نئے دریچے کھول رہا تھا. شہزاد کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے ایسے لگا کہ وہ پھر سے ایک عورت سے دیوی بن گئی.

ایسا بھی ہو سکتا ہے

رات کے پچھلے پہر اسٹیشن کے اس حصے میں کافی اندھیرا تھا. کمزور بلبلوں کی دم توڑتی روشنی میں اسٹیشن کی پھپھوندی لگی عمارت. خاصی خستہ حال اور عقب میں گھنے درختوں سے گھرے ہونے کے باعث کسی پرانے کھنڈر کی خوفناک تصویر پیش کر رہی تھی. یہ گاؤں کا ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا جہاں آنے والی ٹرینیں چند ہی لمحوں کے لیئے رکتیں تھیں پھر شدید سردی اور رات کی وجہ سے اس وقت اکا دکا ہی لوگ نظر آ رہے تھے. میں نے محسوس کیا میرے ہاتھ کافی یخ ہو رہے ہیں تو انھیں اپنے کوٹ کی جیبوں میں اندر تک دھنسالیا. ٹرین کے آنے میں ابھی کافی وقت تھا اور مجھے تنہا انتظار کرنا سخت ناپسند اسی لیئے میں نے اسکا انتخاب کیا وہ بھی شاید ٹرین کے ہی انتظار میں تنہا بینچ پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا. اسکی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے فرش پر پڑے زرد پتوں نے کافی زور سے صدائے احتجاج بلند کی میں ٹھٹھک کے رک گیا. شاید آس پاس کا ماحول بھی میرے اعصابی نظام پر اثر انداز ہونے لگا تھا کسی ناخوشگوار احساس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی میں نے اسے مخاطب کرنا بہتر سمجھا... آہم آہم... گلا کھنکھارنے کی آواز پر اسنے اخبار پر جمی نظریں ہٹا کے مجھے قدرے حیرت اور استفسار سے دیکھا... جی

کیا میں آپکے ساتھ یہاں اس بینچ پر میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسنے قدرے رکھائی سے جواب دیا جی جناب کیوں نہیں. میں کوئی گھر سے الاٹ کروا کے تو لایا نہیں ..... اپنے نام پر

اتنا ہی غنیمت تھا میں جلدی سے بیٹھ گیا. اور اسٹیشن پر پھر سے نظریں دوڑانے لگا. ہم سے تھوڑی ہی دور پر ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا. جس پر کوئی گاہک نہ ہونے کے باعث ہوٹل والا تھڑے پہ بیٹھا اونگ رہا تھا.

آپ غالباً ٹرین کا انتظار کر رہے ہیں اسکے آنے میں تو ابھی کافی وقت ہے... اخبار ابھی بھی چہرے پر تنا ہوا تھا.. کافی غیر آباد اسٹیشن ہے آبادی سے دور بھی آپ کو خوف محسوس نہیں ہوتا یہاں دل گھبرانے، دم گھٹنے، آوازیں سنائی دینے اور لوگوں کو چلتے پھرتے سائے دکھائی دینے کے کافی واقعات ہو چکے ہیں.. کوئی توجہ نہ پا کر میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا آپکو نہیں لگتا کہ ہمارے بیچ کوئی غیر مرئی مخلوق موجود ہو سکتی ہے۔

اس بار اخبار تھوڑا سرکا اور میری بڑبڑ پر اسنے کافی خشونت بھری نگاہ سے مجھے دیکھا تو گویا آپ مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں.

ارے نہیں جناب بس تنہا ہوں آس پاس کے ماحول سے اکتایا ہوا تھوڑی سی توجہ مل جاتی تو..... .اپنی بات ادھوری چھوڑ کر میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی

....اوہ! اچھا اٹس اوکے

لگتا ہے آپ بھی اکیلے ہیں.... میرے ایک بار پھر بے تکے سے سوال سے اسکے چہرے پر ایک مسکراہٹ رینگ گئی. مجھے تو وہ بھی اس خوفناک ماحول کا ایک حصہ ہی لگا. ایک .....بھوت

سنا تھا کہ بے وقوفوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے آج دیکھ بھی لیا. یہ کہہ کر اسنے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا. اور اخبار فولڈ کرکے سائیڈ میں رکھ دیا. پیڑوں کے پاس سے گذرتی سرد ہوا کسی سیٹی کی طرح سنائی دے رہی تھی. اس پر اسکی ہنسی کافی بھیانک معلوم ہوئی. کافی دلچسپ انسان لگتے ہیں. آپ ایسا کرتے ہیں دو کپ چائے لاتا ہوں ساتھ میں گپ شپ بھی چلتی رہے گی اور وقت بھی کٹ جائے گا. یہ کہہ کر اسنے اپنا چھوٹا سا سفری بیگ کاندھے پر لیا اور ہوٹل کی طرف قدم بڑھا دیئے -

بھیا ذرا دو کپ چائے تو دینا. ہوٹل والے نے دو کیتلی میں کپوں میں چائے انڈیل کر اسکی طرف بڑھائی تو اسنے کہا دوسرا کپ بینچ پر بیٹھے بھائی صاحب

کو دے دو. ابھی وہ اسے پیمنٹ کرنے ہی لگا تھا. کہ ہوٹل والے کی نیم وا سوالیہ
آنکھوں پر اسکی نظر جم گئی. کس کو صاحب وہاں تو کوئی نہیں ہے. اسنے چونک کے میری
.سمت دیکھا اس بار ہنسنے کی باری میری تھی کیونکہ میرا مقصد پورا ہوگیا تھا

"ایک حقیقت ایک فسانے کے سلسلے کی نئی کہانی" کاش

کاش

ہمیشہ کی طرح آج بھی انھیں کھانسی کا شدید پھندے لگ رہے تھے. آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو رہیں تھیں. وہ بار بار اپنا سینہ سہلانے لگتیں کبھی کام چھوڑ کر فرش پر ہی کچھ دیر دم لینے اکڑوں بیٹھ جاتیں... ہم نے بہت کوشش کی کہ وہ سب چھوڑ کے ایک طرف سکون سے بیٹھ جائیں پر وہ بضد تھیں کہ گھر بیٹیاں اتنے دنوں کے بعد آئیں تو ان سے کوئی کام نہیں لیں گیں. وہ شدید تکلیف کے باوجود اپنی ممتا ہم میں لٹاتی رہیں. تکلیف بڑھتی گئی دن سے رات کا پہلا پہر لگ گیا ہم سب ہی کافی پریشان اور تھکے ہوئے تھے رمضان اور پھر روزے میں امی کو ڈاکٹرز کے لے کے بھاگنا آدھی رات کو پھر انکی حالت بگڑ گئی اور انھیں بابا بھائی ہاسپٹل لے کر گئے ہم سب اپنے اپنے بچوں کو لے کر کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹ گئے صبح صادق ہی سب لوگ واپس گھر لوٹے امی نے آتے ہی مجھے آواز دی غزل بیٹا میں آگئی ہوں ماں کو نہیں پوچھو گی...؟غزل...پتہ نہیں کیوں چاہتے ہوئے بھی میں اس وقت سوئی بنی بستر پر پڑی رہی کہیں میرے ملنے سے میری بیٹی کی نیند نہ خراب ہوجائے مجھے یاد ہے میری ماں کا وہ محبت بھرا لمس انھوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا شاید سو رہی ہے تھک گئی ہوگی سارا دن میری

وجہ سے ویسے بھی سب پریشان رہے.... اتفاق سے اسی دن ہمیں گھر واپس جانا پڑا اس بات کو چار پانچ دن ہی گذرے ہوں گے جب وہ روح فرسا خبر ہمیں ملیں. ماں نہیں رہیں تھیں ہمارے بیچ جس ہستی کا سایہ ہم ہمیشہ اپنے سروں پر قائم دیکھنا چاہتے تھے. اس ہستی کو بے جان بے حرکت دیکھ کے کیا گزری ہم پر شاید لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے اس دن مجھے اپنی اس بیٹی کا بھی ہوش نہیں رہا جسکے لیئے میں نے کچھ دیر اپنی ماں کو بھی فراموش کردیا تھا انکے پیروں سے لپٹ کر اس دن میں بے تحاشا روئی کاش وہ لمحہ لوٹ کر آسکتا یہ کاش شاید میری زندگی کا ہمیشہ روگ بن کر رہے. پتہ نہیں کیوں اس لمحے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری ماں کی بند آنکھ سے بھی ایک آنسو لڑھک کے انکے گال پر آگیا ہو...

کوئی تو؟

پتہ نہیں کیوں پر وہ کافی دیر سے میرا تعاقب کر رہا تھا. میں جہاں اور جس طرف جاتی وہ وہیں چلا آتا. اس کا چھپی نے مجھے بے حد تھکا دیا تھا ماتھے پر اب پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکنے لگیں تھی. خوف اور بے چارگی کے احساس نے میری زبان گنگ کر دی تھی. حد ہوتی ہے میرا گھر اور میرا ہی کمرہ اسے کس نے حق دیا تھا کہ وہ ایسے دندناتا ہوا چلا آئے...پر شاید اسے بھی میرے یہاں تنہا ہونے کا احساس ہو چلا تھا. جبھی تو وہ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا..

اور دھیرے دھیرے میری طرف بڑھنے لگا. پیچھے ہٹتے ہٹتے میں دیوار سے جا لگی فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکیں تھیں. وہ قریب آ رہا تھا. اور قریب..ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ کے آنکھیں بند کر لیں-

میری رہی سہی ہمت بھی دم توڑ چکی تھی. وہ میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا اف خدایا اتنی بے بسی..تھوڑی دیر کے لیئے آس پاس ایک مہیب سی خاموشی نے ڈیرا ڈال لیا. میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں. تو اسے سامنے والی دیوار کے ساتھ دیکھا پہلی بار میں پوری طاقت سے چلائی...بچاؤ..... کا کروچ

.اشتہار برائے

.اشتہار برائے

ہمیشہ کی طرح اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اسکے اندر کا فطری تجسس بیدار ہو گیا. اور وہ
.دھیرے سے میرے پاس سمٹ آئی

تم یہ سب کب سے کرنے لگے حقیقت جان کر اسے شدید جھٹکا لگا
.اسکی آواز میں حیرت سے زیادہ کرب نمایاں تھا

میں ڈھٹائی سے زیرلب مسکرایا اور کہا !تب سے جب سے تم
. نے میرا حوالہ دوسرے حوالوں کے ساتھ مدغم کر دیا

مطلب....دیکھو الجھاؤ نا..جو بات ہے سیدھی طرح کہو....؟

مجھے وارن کرتے اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ میرے کتنے قریب آ گئی ہے. چھوڑو تم
.....نہیں سمجھو گی ہاں یہ سب جب شروع ہوا جب سے میں نے اسے دیکھا

میرے انگلی کے اشارے کے ساتھ ہی وہ کچھ اور جھک گئی. اتنا کہ اسکی الجھی لٹیں
موبائل اسکرین کے ساتھ ساتھ میرے چہرے کو بھی چھونے لگیں. اف !

وہیں.....جہاں ایک خوبرو حسینہ کی پکٹ کے ساتھ صاف اور واضح الفاظ میں لکھا
.... ہوا تھا

.....رات طویل ہے

.....رات بورنگ ہے

.......براؤز کریں

.....اور..... ڈاؤن لوڈ اتارنے کا لطف اٹھائیں

اور... پھر میری انگلیاں ٹچ اسکرین سے کھیلنے لگیں. ڈاؤن لوڈنگ کے لیے

What a laws of Limitation and basic of leader Assam?

اور عام افراد Politicians لیڈرازم ایک لفظ نہیں یا ایک فرد واحد کا نظریہ نہیں بلکہ یا معاشرتی تال میل کا مطالعہ ہے. اسی معاشرتیSocial Interactionکے مابین نفسیات کے بل بوتے پر ماضی کے کئی فسطائی لیڈرز عوام پر اپنا آمرانہ تسلسل قائم رکھنے میں کامیاب ہوئے. اور تاحال اسکا کامیابی سے اطلاق کیا جارہا ہے. یہ اور بات ہے کہ اب اسے جمہوریت کا خوبصورت لبادہ پہنا دیا گیا ہے. آخر وہ کون سے عوامل ہیں جنکی بناء پر سوویت یونین کے لیڈر لینن، چینی راہنما ماؤزرے تنگ، ویت نامی انقلابی ہوچی منہ، شمالی کوریا کے قائد کم ال سونگ اور کیوبا کے فلسفی راہنما کاسترو جیسے لیڈرز کامیابی سے حکومت کرتے رہے. ایک طویل عرصے تک. وہ ان لیڈروں میں سے تھے جنہوں نے کسی لیبارٹری میں نہیں بلکہ معاشرے پر اپنی سوچ مسلط کرنے کے تجربات کیئے اور بڑی حد تک کامیاب رہے. ان افراد کے معاشرتی تجربات نے ایک نئے اور مختلف انسان کو جنم دیا اس بات سے قطع نظر کہ وہ مجموعی طور پر ایک اچھا انسان ہے یا برا...اس سے ایک بات تو مسلم ہوگئی اپنی جگہ کہ ان لیڈرز کی کی عظمت معاشرے میں ایک معاشرتی نفسیات دان کی طرح تھی جس سے کوئی بھی باشعور افراد انکار نہیں

کر سکتا. ایک فرد واحد کا پوری قوم پر ذہنی تسلط قائم کرنا اور اور اسے تسلسل سے برقرار رکھنا کوئی معمولی بات نہیں دیکھا جائے تو انکے کیئے تجربات آج بھی سیاسی منظر نامے میں کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہیں. رفیق جعفر کی کتاب "نفسیات کا ارتقاء" اور بی پورشینف B.Porshnev کی کتاب Social Psychology and History میں بھی ان لیڈرز کے متعلق کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اس سلسلے میں 1890 میں ایک فرانسیسی ماہر ٹارڈے نے ایک کتاب لکھی جس میں اس امر کو واضح کیا گیا کہ ایک گروہ کسطرح اپنے قائد کے بتائے ہوئے راستے پر اندھی تقلید میں چلتا ہے اس نے کی پاور سے فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ ایک Suggestiblity بتایا کہ ایک لیڈر عام افراد کی ہپنو ٹائز مینٹل کنڈیشن کے تحت اسکی ہر بات ایک خودکار مشینی روبوٹ کی طرح اسکی ہر بات پر عمل کرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں. انہی فیکٹس پر ایک اور فرانسیسی ماہر بون میں ڈالی. اسکے خیال میں جب The Crowd لی نے 1895 میں اپنی کتاب دی کراوڈ گروہی رشتہ آپس میں بڑھ جائے تو اس میں موجود ہر فرد اپنی ذاتی تنقیدی خصوصیت سے آزاد ہو جاتا ہے تبھی ایک گروہ ایک جذباتی اور بے قابو ہجوم میں تبدیل ہو جاتا ہے. جسے ایک لیڈرانہ خصوصیت کا حامل فرد باآسانی اپنے اشاروں پر نچا سکتا ہے. پھر اس حوالے سے برٹش سائیکلوجسٹ میکڈوگل 1908 کا اپنی کتاب انٹروڈکشن آف سوشل سائیکلوجی میں پیش کیا نظریہ بھی کافی اہم ہے اسکے خیال میں ایک انسان اسلیئے کسی گروہ میں شامل ہوتا ہے کیونکہ

ایسا کرنا اسکی فطری جبلت ہے اسکی ذات کا ایک اہم حصہ جو اسے پیدائشی طور پر وراثت میں ملتا ہے. وہ کبھی ایک الگ تھلگ زندگی نہیں گزار سکتا اسکا یہ انتخاب اسکی زندگی کا آگے کا لائحہ عمل متعین کرتا ہے. تاوقتیہ وہ ذہنی طور پر کسی گروہی لیڈر کے ٹرانس مین نہیں آجاتا اسکے بعد امریکی ماہر واٹسن اور فلائیڈ آلپورٹ نے بھی اس پر کافی تحقیق کی. میں اس ضمن میں باقاعدہ سائنسی تجربات شروع ہوگئے. اور جے ایل مورینو1930 اور مارگریٹ میڈ جیسے نام سامنے آئے. مورینو نے ایک بے ساختگی کا تھیٹر قائم کرکے نئے پیمائشی طریقے ایجاد کیئے جبکہ مارگریٹ میڈ نے مختلف معاشرت کے حامل لوگوں کے بیچ رہ کر اپنے تاثرات قلمبند کیئے. میڈ کا یہ طریقہ بہت مقبول ہوا اور سیاحتی بنیادوں پر لکھی گئی کتابوں کے ذریعے دیگر معاشرتی اور سماجی رویوں کا مطالعہ آسان ہوگیا. اسکے بعد سولومن ایش، لیان فسٹنگر اور اسٹینلے ملگرام نے اپنے کیئے گئے اہم تجربات سے اس پر مزید روشنی ڈالی کہ ایک فرد کی فیصلہ کرنے کی قوت کیسے اس فرد کے ارد گرد موجود لوگوں پر اثرانداز ہوتی ہے. ہر فرد اپنے وقوف اور کردار کے مابین ایک توازن قائم کرلیتا ہے. اپنی دانست میں اور جب گروہی یا معاشرتی بنیادوں پر یہ توازن بگڑنے لگتا ہے تو بعض اوقات وہ اسے برقرار رکھنے کے لیئے مضحکہ خیز حد تک جھوٹ بولنے اور کرداری تبدیلی کے لیئے بھی تیار ہوجاتا ہے. آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ لیڈرز اکثر و بیشتر عوام سے لمبے چوڑے اور بڑے بڑے دعوے کیوں کرتے ہیں. جن پر عمل اکثر و بیشتر ممکن ہی نہیں

ہو پاتا اسکے پیچھے یہی نفسیات کارفرما ہوتی ہے اس سے وہ اپنا سوشل کراوڈ تسلسل سے بنائے رکھنے مین کامیاب رہتے ہیں. اور ایسے افراد کے زیر اثر اکثر عام افراد بہت سے ایسے کام بھی سرانجام دے جاتے ہین. جو انفرادی نقطہء نگاہ سے انکے نزدیک جرم یا گناہ ہوتے ہین. چاہے انکے احکامات بجالانے کے نتیجے میں معاشرے کے دوسرے افراد اپنی کا عمل وہ دوہرا عمل Social Interaction. جان سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھو بیٹھیں ہے جس سے فرد واحد تو متاثر ہوتا ہی ہے پر اسکے ساتھ ساتھ وہ پورے ایک کراوڈ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے. اور یہی وہ اصول ہین جو لیڈر ازم کی کامیابی کی بنیاد ہیں. جنھین موجودہ سیاسی تناظر میں بھی بخوبی دیکھا جاسکتا ہے. آپ کسی بھی سیاسی پارٹی کے منعقد کیئے گئے سیاسی جلسے مین اسکا عملا مظاہرہ دیکھ سکتے ہیں. تب شاید آپ کے لیئے اسے سمجھنا آسان ہو. اور آمریت اور جمہوریت کا فرق بھی واضح ہوجائے ذہنوں میں. آخر میں بس یہی کہوں گی

سونپ دی ہم نے ڈور ہاتھوں میں

آپ مرضی..... جہاں اڑا لیجئے.

آزادیء فکر

آزادی فکر سننے میں تو یہ لفظ بہت بھلا لگتا ہے. لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اسکا مطلب اصل میں کیا ہے. بیسویں صدی میں اشتراکیت کا بلند و بانگ نعرہ لگا کر انسانیت کی وہ درگت بنائی گئی ہے جس نے معاشرے کا سکون درہم برہم کردیا. جو لوگ مادی نفع اور نفسانی لذتوں کو ہی سب کچھ سمجھتے ہین کبھی انکی زندگی میں جھانک کر دیکھیئے. آخر کیوں راحت اور وسائل کے تمام اسباب ملکر بھی انھیں سکون قلب سے محروم رکھتے ہیں. آخر کیوں یہ اضطراب اور کسک کی کیفیت انھیں تیزی سے اسلام سے متعارف کرارہی ہے. اسلیئے کہ انکی اکثریت اپنے نظام سے خائف ہوچکی ہے وہ اسکے بدترین نتائج سے آگاہ ہوچکے ہیں. اور جب بھی کوئ شخص نفس اور مادہ کے گرداب سے نکلنے کے بعد خالق حقیقی سے رشتہ استوار کرتا ہے تب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکی زندگی مین وہ کمی کونسی تھی جس نے اس کے لیئے آرام و راحت کے تمام وسائل کو بے کیف اور بے اثر بنا دیا تھا. ترقی پسند مغربی ممالک ہمارے سامنے ایک پیکر عبرت کے طور پر موجود ہیں. جنھوں نے آزادیء فکر کے نام پر انسان کو کفر و الحاد کی گود میں ڈال دیا ہے. آزادیء فکر سے مراد انکے نزدیک یہی ہے کہ انسان اپنے معبود حقیقی سے منہ موڑ لے. پر انکے اندر اس فکر کو پروان چڑھانے کے اصل ذمے دار انکے مذہبی کلیسا تھے. جنھوں نے عیسائیت کا ایک گمراہ

کن تصور اپنے معاشرے کے سامنے پیش کیا انھون نے جھوٹ توہمات خرافات کو مذہب کا حصہ بنالیااور واضح سائنسی حقائق کو جھٹلایا. اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آزاد خیال یورپی مفکرین نے خدا پر فطری ایمان کی راہ ترک کرکے صرف سائنس اور اسکے فرمودات کو ہی اصل قرار دے دیااور انکا معاشرہ تیزی سے اخلاقی و جنسی گراوٹ کا شکار ہوتا چلا گیا. آزادیء فکرکے ان داعیوں کو آزادیء فکر سے کوئی مطلب نہیں بلکہ انکا مقصد صرف اسکی آڑ لے کر پوری دنیا کو اخلاقی انتشار اور جنسی انارکی کا روگ لگانا ہے. وہ اس نعرہ کو اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیئے استعمال کررہے ہین. یہ لوگ اسلام کے اسلیئے خلاف نہین کہ وہ انکے اس نام نہاد آزادی کی حمایت نہیں کرتا بلکہ انکی اصل دشمنی کی وجہ یہی ہے کہ اسلام بنی نوع انسان کو انکی ذہنی و فکری غلامی سے نجات دلا سکتا ہے. اسلام مین نہ تو اسطرح کا کوئی نظام ہے نہ ہونے کی گنجائش ہے وہ ایک مکمل ضابطہء حیات ایک خدا کے تصور کے ساتھ پیش کرتا ہے.

اسلام مذہبی اجارہ داری کی اجازت نہین دیتا اسکی نظر میں سب برابر ہیں. بے شک کسی معاشرے میں معاشرتی قوانین اور اصولوں کے ماہرین کی موجودگی اشد ضروری ہے پر انکی حیثیت ایک مشیر کی طرح ہوتی ہے انکا کام ہوتا ہے کہ وہ افراد کے دینی فہم اور نظریات کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھے اور ان میں جو خامی پائے اسے مذہبی اور عقلی دلائل کی روشنی میں واضح کرے. اسکی درست

رہنمائی کرے دوسری طرف عام افراد کو بھی پورا حق حاصل ہے کہ وہ صحیح جگہ نقطہء اعتراض اٹھا سکتے ہیں. اسلام پر کسی خاص طبقے یا فرد کی اجارہ داری نہیں ہاں ان لوگوں جو اتھارٹی کا درجہ حاصل ہے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں پر انھیں بھی اجازت نہیں کہ وہ اس میں اپنی ذاتی آراء یا پسند ناپسند شامل کریں. اسلامی نظام کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ علمائے کرام کو اقتدار حاصل ہو اسلامی نظام کا مقصد شریعت اسلامی کا نفاذ ہے وہ ڈاکٹر انجینیئر ماہرین معاشیات کو روزمرہ کے امور انجام دینے سے نہیں روکتا بلکہ انکے معاشی سرگرمیوں کے بنیادی خطوط اسلامی نظام معیشت کی روشنی میں مرتب کرتا ہے. تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی عقائد کبھی سائنسی نظریات سے متصادم نہیں رہے - اسلام کے بنیادی عقیدے خدائے واحد کے تصور کو سائنس کبھی نہیں جھٹلا سکتی. اسلام بار بار آسمان وزمین سے لے کر پوری کائنات تک کے مطالعے اور مشاہدے کی دعوت دیتا ہے تاکہ انسان اس پر غور وفکر کرے. خود کو پہچانے اپنے خالق کی بندگی کا کھلے دل سے اعتراف کرے. آج تک کی جانے والی جتنی بھی سائنسی ریسرچ ہوئیں وہ اس بات کو ثابت کرتیں ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے مغربی سائنسدان بھی اسلام اور قرآن کے متعرف ہوگئے.

آزادیء فکر کے مبلغین اپنے سابق نوآبادیاتی آقاؤں کی اندھی تقلید کرتے

ہیں. وہ دین پر غیر صحت مندانہ تنقید کو جائز قرار دیتے ہیں. وہ چاہتے ہیں کہ مسلم امہ بھی انکی اندھی تقلید کرے. اور مرتد ہوجائے جبکہ اسلام میں نہ تو چرچ و کلیسا جیسا استبداد ہے نا کسی قسم کی توہمات اور خرافات کی گنجائش ہے وہ تو خود ہر انسان کو اسکے بنیادی حقوق اور ضروری آزادی دینے کی بات کرتا ہے اگر بات انکے مزہبی معاشرے کی ہو تو ایک لحاظ سے وہ حق بجانب ہیں مگر ہمارے یہان اس کا کیا مطلب نکلتا ہے مغرب کی اندھی تقلید اور ضروری مذہبی معلومات کا فقدان ہمارے یہاں جس بگاڑ کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ قطعی طور پر اسلامی تعلیمات کا نتیجہ نہیں. آزادیء فکر اور جدیدیت کے حامی اسلامی نظام کو آمرانہ نظام قرار دیتے ہین. جس مین ریاست وسیع اختیارات کی مالک اور عوام محکوم ہوتی ہے لوگ مذہبی جنون میں خود کو جابرانہ اور ظالمانہ قوانین کے حوالے کر دیتے ہین. عوام کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے انھین اپنی سمجھ کے مطابق رائے دینے یا فیصلہ کرنے کا اختیار نہین ہوتا انکی آزادی ہمیشہ کے لیئے چھین لی جاتی ہے نہ تو آواز اٹھا سکتے ہین اور نہ ہی اسکا حوصلہ لا پاتے ہیں سخت سے سخت ترین سزاؤں کا تصور بھی اس الزام کا حصہ ہے کیا سچ میں درحقیقت ایسا ہی ہے اگر ایسا ہے تو عالمی سطح پر اسلام کو سب سے پسندیدہ مذہب اور رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بہترین شخصیت کیوں قرار دیا گیا. کیا قرآن ان تمام بے سروپا الزامات کا جواب نہیں دیتا کیا تاریخ اسلامی دور حکومت کو تاریک دکھاتی ہے. کیا ان سب الزامات

مین سچائی ہے کیا آزادی ء فکر کے حامی ممالک میں خود مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیازانہ اور ظالمانہ سلوک روا نہیں رکھا گیا. کیا ظلم و ستم صرف مذہب کے نام پر ہی روا رکھا جاتا ہے. اگر ایسا ہے تو شاید ہٹلر کی آمریت کی بنیاد بھی مذہبی ہی ہوگی ؟کیا اسٹالن کی حکومت کسی پولیس اسٹیٹ سے کم تھی کیا ظالم اور جابر ڈکٹیٹر اسٹالن کی حکومت مذہبی بل بوتے پر قائم کی گئی ؟

چین کا جنرل چیانگ کائی شیک جنوبی افریقہ کا ڈاکٹر علان، ماوزرے تنگ، فرانکو، چنگیز. خان کیا یہ سب مذہبی آمر تھے ؟آج کا انسان قدیم مذہبی اجارہ داری اور استبداد سے تو آزاد ہوچکا ہے پر ذہنی طور وہ اب بھی آمریت اور جبر کی مختلف صورتوں کا غلام ہے اس نے اپنے آزادی کے اس نئے قانون کو وہی جگہ دے دی جو کبھی مذہبی اجارہ داری کو حاصل تھی آزادی اور حقوق کا پرچار کرنے والے کھلے عام اسکی خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہین. اپنے اپنے حقوق کی بات سب کرتے ہین پر دوسرے کے حقوق غصب کرنے کے لیئے تیار نظر آتے ہیں. خوبصورت لیبل کی آڑ میں انسانیت کو جسطرح پامال کیا جارہا ہے اسے آپ اور ہم آزادی ء فکر کا نام کیسے دے سکتے ہیں ؟کیا آزادی یہی ہے کہ ہر ناجائز عمل کی چھوٹ دے دی جائے ؟ ہر غریب اور کمزور کا معاشی مزہبی سماجی ثقافتی بنیادوں پر استحصال کیا جائے ؟ جہاں چند ممالک بااثر ہوں اور باقی پسماندہ ممالک کو تیسری دنیا قرار دے کر انکی ملکی و شخصی آزادی پر ضرب لگائی جائے ؟ جب اپنا مفاد ہو وہاں

اپنی فوجیں لے کر چڑھائی کر دی جائے؟ اگر آپ ایک ہوشمند انسان ہین تو کبھی جمہوریت کے پردے میں لپٹی ہوئی اس آمریت کی حمایت نہیں کریں گے اگر پاکیزہ اصولوں اور دینی حقائق کو مسخ کرکے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے تو قصور مذہب کا نہیں ان گمراہ انسانوں کا ہے جو انھیں اپنے مذموم مقاصد پر پردہ ڈالنے کے لیئے استعمال کرتے ہیں. اسلام تو خود حاکم اور محکوم کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے. حقیقی آزادی ترک دین نہیں بلکہ ایک ایسے انقلابی جذبے کی بیداری ہے جو ظلم و جبر کے خلاف معاشرے اور ریاست کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دے. یہی ہماری امت مسلمہ کا وصف ہے اور یہی ہماری آزادیء فکر سوچیئے اور خود سوچنے کی عادت ڈالیئے. پھر ذہنوں پر چھایا اندھیرا خود بخود ہٹتا چلا جائے گا. اور پھر افق پر آزادی کا ایک نیا سورج طلوع ہوگا جسکی سنہری روشنی میں ہر چیز صاف ستھری نظر آئے گی. اور ہاں -وٹامن ڈی بھی ملے گا بہت کام کی چیز ہے یہ.. اندروں کی اسٹرکچر بھی مضبوط کرتی ہے

لازوال

ہر انسان کی زندگی میں کچھ واقعات ایسے ضرور ہوتے ہیں جنھیں فراموش کرنا ممکن نہیں ہوتا. انکی یاد کبھی دل میں چھبن کا باعث بنتی ہے تو کبھی آنکھوں کے بھیگے گوشوں کی زینت بن جاتی ہے ایک ایسا ہی واقعہ لکھتے ہوئے میں اور کبھی ایک سیکھ بن جاتے ہیں. آج پھر سے ماضی کے دھندلکوں میں کھو سی گئی... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ایک پرائیوٹ اسکول میں آٹھ سو روپے جیسی معمولی ماہوار تنخواہ پر پڑھایا کرتی تھی.. وہ دن بھی دوسرے بہت سے عام دنوں کی طرح عام پر میرے لیئے شاید بہت خاص تھا. عید قریب تھی اور. پرس میں موجود تنخواہ کا پھولے ہوئے لفافے کی موجودگی نے میرے چہرے پر آسودگی کے رنگ قوس قزح کی طرح بکھیر دیئے تھے گھر واپسی تک میں ان پیسوں سے نہ جانے کتنی خواہشات کی تکمیل کے ڈھیروں منصوبے بنا چکی تھی.. گھر پہنچتے ہی میں نے جلدی سے پرس کھول کر لفافہ ہاتھ میں لیا اور کچن میں مصروف اپنی امی کو زبردستی کھینچتے ہوئے بیٹھک میں لے آئی... امی یہ دیکھیں.. سیلری مل گئی.. آپ جلدی سے برقع پہنیں ہم ابھی کے ابھی مارکیٹ جارہے ہیں... ارے بیٹا سانس تو لے لو... اچھا کچھ کھالو تھکی ہوئی آئی ہو آج گرمی بھی کتنی شدید ہے.. بالکل نہیں.... میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکی بات کاٹی... ہم چل رہے ہیں ابھی بس اور کوئی بات نہیں... آپ کو نہیں پتہ.. میں

کب سے آج کے دن کے انتظار میں تھی.. میں آپ کو کچھ دلانا چاہتی ہوں اپنی سیلری سے پلیز منع نہیں کرنا امی پلیز .... میری التجا رنگ لائی اور وہ مارکیٹ جانے کے لیئے رضامند ہوگئیں... پھوپھو کے گھر حوالے کرکے ہم رکشہ میں مارکیٹ روانہ ہوگئے. ایسا لگتا تھا جیسے اس دن پورا شہر بازار میں امڈ آیا ہو .. مارکیٹ میں ایک دکان سے دوسری تک پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا بار بار انتظامیہ کی طرف سے اعلان ہو رہا تھا .برائے مہربانی اپنے بچوں اور سامان کی خود حفاظت کیجیئے ... میں نے امی کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما ہوا تھا ایسے ہی ہم ایک پٹھان کی دکان پر پہنچے امی کپڑے نکلوا کر دیکھنے لگیں تو میں نے آس پاس سجی دوکانوں کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھنا شروع کردیا... تبھی ایک برقع پوش عورت ہم سے زور سے آکے ٹکرائی. معاف کرنا رش کی وجہسے.. کوئی بات نہیں اٹس اوکے میری زبان سے ابھی یہ لفظ ادا ہی ہوئے تھے کہ امی نے آواز دی غزل یہ دیکھو یہ سوٹ تم پر بہت اچھا لگے گا.. بالکل نہیں یہ ہم آپ کے لیئے لے رہے ہیں. ہماری تکرار پر دوکان والے نے کہا بہن جی آپ کو لینا ہے کہ نہیں.... ارے نہیں نہیں آپ ایک سوٹ پیک کردیں... اور پیسے پوچھ کر امی نے جیسے ہی پرس کھولا تو وہ خالی تھا پیسے کہاں گئے یہیں تو رکھے تھے افففف انھوں نے شاپ پر ہی پورا پرس الٹ دیا... امی ٹھیک سے دیکھیں.. پر نوٹوں کا لفافہ غائب ہوچکا تھا. دوکاندار نے سوٹ واپس رکھتے ہوئے کہا بہن جی لگتا ہے کوئی کام دکھاگیا آپ کو دھیان رکھنا چاہیئے تھا تبھی ہمارا خیال اس عورت کی طرف گیا.. امی

چکرا گئیں بیٹا ہم گھر کیسے جائیں گے اس نے تو کرائے کے پیسے تک نہیں چھوڑے... جیسے تیسے کرکے ہم مین روڈ تک آئے میرے لیئے تنخواہ سے زیادہ امی کی بگڑتی طبیعت زیادہ پریشان کن تھی. وہ دمے کی مریض تھیں. پھر انھیں یہ احساس مارے ڈال رہا تھا کہ میری مہینے بھر کی محنت پر پانی پھر گیا تھا. اس دن ہم نے خاصا طویل سفر پیدل ساتھ طے کیا وہ روتی جارہیں تھیں چہرہ سرخ ہوچکا تھا اور سانس بھی بے حد پھول رہی تھی. وہ بار بار ایک ہی بات دھراتیں میری لاپرواہی کا بھگتان میری بچی کو بھگتنا پڑا میری نظریں مسلسل ان پر ٹکی ہوئیں تھیں مجھے انکی بہت فکر ہورہی تھی یا خدایا کسی طرح ہم جلد گھر پہنچ جائیں.... کہیں امی کی طبیعت خراب ہو گئی تو..... نہیں نہیں. میں جلدی سے دل ہی دل میں دردوشریف کا ورد کرنے لگی. وہ رستہ ہم نے کس کیفیت کے ساتھ طے کیا شاید لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہو گھر پہنچنے کے بعد بھی وہ دیر تک روتی رہیں... انکو دوا دے کر اس وقت تو ہم نے سلادیا پر کافی دن تک انھیں اس بات کا ملال رہا. شاید میں بھی اس واقعہ کو اپنے ذہن سے جھٹک نہیں پارہی تھی میرے سامنے بار بار امی کا آنسوؤں سے تر چہرہ آجاتا تبھی میں نے خود سے عہد کیا کہ کسی بھی طرح میں دوبارہ پیسے جمع کرکے امی کے ہاتھ پر رکھوں گی. مجھے سلائی اور ایمبرائیڈری آتی تھی. سو اس دوران میں نے ٹیوشنز کے ساتھ ساتھ سلائی بھی کافی کی اور تنخواہ سے بھی کچھ زیادہ پیسے جوڑ کے امی کے ہاتھ پر رکھے مجھے یاد ہے وہ خاموشی سے دیر تک ان پیسوں کو دیکھتی رہیں. پھر دھیرے سے بے آواز

آنسوؤں کے ساتھ انھوں نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور کہا. کون کہتا ہے کہ بیٹیاں بیٹوں سے کسی بھی طرح کم ہوتیں ہیں. مجھے فخر ہے اپنی بیٹی پر اور پھر انھوں نے میرا ماتھا چوم لیا. آج بھی جب کہ وہ ہمارے بیچ نہیں جب بھی حوصلہ ہارنے لگتی ہوں تو ہوں تو انکے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگتے ہیں. . اور وہ لازوال محبت پھر سے میرے دل میں امیدوں کے نئے دیپ جلادیتی ہے. میری طاقت بن کر. . . اور میرے ماتھے پر انکا لمس بندیا بن کر چمکنے لگتا ہے_

چلو بیٹا جلدی چلو ورنہ مارکیٹ میں کافی بھیڑ جمع ہو جائے گی۔۔شاہد نے بیٹے کو کہا. آرام سے پہلے افطاری تو ٹھیک سے کرلیں. نمازپڑھنے بھی تو جانا ہے۔اسماء نے دبا دبا سا احتجاج بلند کیا. نہیں اسماء افطار کے وقت بازار خالی ہوتے ہیں۔ نماز کے لئے گئے تو رش پھر بڑھ جائے گا آج اسد کو شاپنگ کرادیتا ہوں. اسد کو بائیک پر لے کر شاہد مارکیٹ کی طرف روانہ ہوا ہی تھا کچھ فاصلے کے بعد ایک گھر کے دروازے پر بائیک بند ہوگئی...افففف!!! اب اسے کیا ہوا؟ شاہد اسد کو اتار کر بائیک کی خرابی ڈھونڈنے لگا. تبھی گھر کے اندر سے برتنوں کا ایک ہلکا سا شور بلند ہوا....امی کب تک کھانا ملے گا بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے.....بس بیٹا تھوڑی دیر.....یہ کہنے کی دیر تھی کہ پھر سے ایسا لگا جیسے دیگچی پر ڈھکن زور سے رکھا گیا ہواور ساتھ میں دبی دبی سسکیوں نے جیسے شاہد کواندر ہی اندر بے چین کردیا. بائیک اسٹارٹ ہوگئی. بچے کافی دیر سے سے بھوکے ہیں شاید....شاہد نے ایک نظر اپنے بیٹے کے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے پر ڈالی..اسد بیٹا بابا کو ایک ضروری کام کرنا ہے بازار ہم بعد میں جائیں گے. شاہد نے وہیں سے بائیک واپس موڑکے اسد کو گھر چھوڑا اور سیدھا بازار پہنچا وہاں سے راشن اور کھانے کے کچھ لوازمات لے کر واپس اس گھر پہنچ گیا۔دروازے پر ایک ہلکی سی دستک دے کر

وہ اوٹ میں ہوگیا سامنے راشن رکھادیکھ کر عورت نے چاروں طرف حیرت سے نظریں دوڑائیں. یا میرے خدا! دستک تو یہی بتاتی ہے کہ یہ تیرے کسی نیک بندے کا کام ہے.. پھر کھانے کا سامان اٹھا کر رندھی ہوئی آواز میں زور سے بولی گڈو.. منا .. ببلی بیٹا کھانا پک گیا ہے... چلو جلدی سے کھالو.. بھوکے نہیں سوتے. اس کے ساتھ ہی بچوں کے صحن میں دوڑنے کی آواز نے شاہد کو ایک عجیب دلی کیفیت سے دوچار کر دیا۔قریب ہی ایک مسجد سے اذان عشاء بلند ہو رہی تھی۔حی علی الفلاح.... حی علی الصلواہ

.نماز بھی تو پڑھنی تھی

سبق

امی ..... کہاں ہیں آپ؟ بیٹا کچن میں .... امی کی آواز پر مسکان وہیں آ کر کھڑی ہو گئی.. امی ابھی تو کافی وقت ہے افطار میں .. آپ ابھی سے تیاری میں لگ گئیں... بیٹا نماز پڑھنے کے بعد سوچا تھوڑا کام ابھی نمٹالوں. پھر افطار کے وقت جلد باری نہیں ہو گی. پھر اسطرح عصر کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی امی نے مسکراتے ہوئے کہا! آپ کو کچھ کہنا تھا مسکان؟ جی امی ہماری ساتھی اسکول ٹیچرز نے ایک مشترکہ افطار پارٹی کا انتظام کیا ہے. اگر آپ کی اجازت ہو تو؟..... جی مسکان دعوت افطار سے تو انکار نہیں .. پر دور نہ ہو تو بہتر ہے. اور ہوسکے تو آپ گھر کے دوسرے بڑوں سے بھی اجازت طلب کرلیں. جی بہتر امی آپ چلیں گی؟ نہیں چندا افطاری کون بنائے گا؟ آپ جائیں. اور جلد آنے کی کوشش کیجیئے گا. مسکان کو دادی دادا سے بھی اجازت مل گئی. چونکہ بابا گھر پر نہیں تھے تو شرط رکھی گئی کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی احسن کو لے کر جائیں. مسکان تیار ہو کر افطار سے کچھ وقت پہلے مقررہ جگہ پہنچ گئیں. درس کے بعد اذان مغرب کی صدا بلند ہوئی سب نے ایک ساتھ روزہ افطار کیا اسکے بعد پر تکلف چائے کا دور شروع ہوا تو مسکان نے سب سے اجازت چاہی تو ایک ٹیچر بولیں.. ابھی سے کہاں چل دیں مسکان .. ؟ ابھی تو گوشت پارٹی باقی ہے؟ مسکان نے مسکرا کہا جی نہیں شکریہ اتنی ساری ڈشز کے بعد بھی کیا کوئی کسر

باقی ہے؟. تبھی میزبان خاتون نے ہنستے ہوئے کہا آپ سمجھیں نہیں.. مطلب دراصل انتظامات میں اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ آپس میں کوئی گپ شپ لگائی جاسکے... ابھی انکی بات جاری تھی کہ بیچ میں سے ایک ٹیچر نے لقمہ دیا. غیبت کانفرنس شروع کی جائے. ساری ٹیچرز بڑے زور سے ایک ساتھ بلند آواز سے ہنسیں.... آہستہ مردانے میں آپ کی آواز جائے گی کہ تو کیا سوچیں گے وہ آپکے متعلق... غیبت سمجھتی ہیں نا آپ؟؟؟؟؟ شغل نہیں ہے یہ۔۔۔ سورہء حجرات میں اسے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہہ دی گئی ہے.. کیا آپ پسند کریں گی؟ذرا خود ہی سوچیں کوئی آپ کو پیٹھ پیچھے برا بھلا کہے الٹی سیدھی باتیں آپ سے منسوب کرے غلط اور معیوب القاب سے نوازے تو آپکو خوشی محسوس ہوگی. ہم سب استاد ہیں ہم نے نئی نسل کو اخلاقی طور پر سنوارنا ہے اس ناطے ہم پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عملی نمونہ بن کر دکھائیں اگر ہم غلط سوچ رکھیں گے تو کیسے قوم کے معماروں کی اخلاقی پرورش کر پائیں گے؟ مسکان جوش وخروش سے کہتی گئی. پوری محفل میں سناٹا چھا چکا تھا سب خواتین کے سر شرمندگی سے جھکے ہوئے تھے. تبھی اس خاموشی کو ایک ندامت بھری آواز نے توڑا. یقینا ہم سب گمراہ ہو چکے تھے. خیر ہو مسکان کی جس نے ہماری درست سمت رہنمائی کی۔ ۔ لیکن وہ صاف دیکھ رہی تھی بہت سے چہرے اس سے ناخوش تھے

میرا پاکستان کیسا ہو

ہمیشہ کی طرح آج بھی صبح گھر سے نکلتے ہوئے میری نگاہ بے اختیار اطراف کا جائزہ لینے لگی دوکانوں کے باہر بنے ناجائز چبوتروں اور تھڑوں پر بیٹھے فضول وقت گذاری کرتے جابجا پھیلے کچروں کے ڈھیر سے بے نیاز نوجوان جب چرس سے بھری سگریٹ کا کش لگاتے تو اس کثیف زدہ ماحول کی کثافت میں اور اضافہ ہوجاتا میں نے قدرے اداسی سے جیسے ہی گلی عبور کرکے مین روڈ پر قدم رکھا تو یہاں بھی صورتحال مختلف نہیں تھی. جگہ جگہ کچرا کیچڑ اور انہی کے بیچ دوکانوں کے باہر کھڑے چھابڑی ٹھیلے والے اور ناجائز پتھاریدار اور شاید ہمیشہ کی طرح راستہ تنگ ہونے کے باعث پریشان ہونے والے راہگیر اور اسٹوڈنٹس، ٹوٹے سگنلز اور جام ٹریفک میں نے ایک بس اشارے سے روکی اور سیٹ پر پہنچ کر آنکھیں موند کر سوچنے لگی. کیا سچ میں یہی وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے جسکا خواب قائد مشرق جناب ڈاکٹر علامہ اقبال نے دیکھا تھا کیا یہی وہ ملت اسلامیہ ہے جسکے لیئے آزادی کے متوالوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کی سرکردگی میں اپنی جان و مال اور عزت کی قربانیاں دیں تھیں. کیا صحیح بنیادوں پر آج تک اسلام کا عملاً نفاذ ممکن ہوپایا ہے نہیں تو وہ کیا وجوہات ہیں. جنکی بنیاد پر آج اسکا یہ حال ہے. کیوں ہمارے بیچ پھر سے طبقاتی فرق اپنا سر اٹھا رہا ہے سیاسی مذہبی تعلیمی اور کاروباری معیشت

کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہوچکا ہے اس وقت ہمارا ملک بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اور اس میں روبروز مزید اضافہ ہی ہورہا ہے. ہم غیر ممالک کو ہر سال قرضوں کی مد میں ایک خطیر رقم سود کے طور پر ادا کررہے ہیں. جبکہ عام آدمی کو ٹیکس کے بوجھ تلے دبادیا گیا ہے. ہر شعبے میں خواہ وہ کسی بھی کارہائے زندگی سے متعلق ہو کرپشن بدعنوانیاں اپنے عروج پر ہیں. وہ کونسے عوامل ہیں جن پر کام کرکے ہم اس افسوسناک صورتحال میں بہتری لا سکتے ہیں.

ہمارے ملک میں اس وقت بہت سے مسائل کا انبار ہے جن کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے اور اگر ہمیں اسے حقیقی معنوں میں ایک اسلامی مملکت کا روپ دینا ہے تو اسکے لیئے ہمیں عملاً سرگرداں ہونا پڑے گا. جیسے ناخواندگی، بنیادی تعلیمی اور طبّی سہولیات کا فقدان، تنزلی کی طرف جاتی ہوئ معیشت، پرانا بوسیدہ ہوتا ہوا سسٹم خواہ وہ سیاست سے متعلق ہو یا کسی اور شعبہ ء ہائے زندگی سے، پیسے کی غیر منصفانہ تقسیم اور طبقاتی فرق، بنیادی شہری اور دیہی ضروریات کا نہ پورا ہونا کرپشن مہنگائی بدعنوانی لوٹ مار اور نہ جانے ایسے ہی کتنے ان گنت مسائل جنھیں ہمیں یکجا ہو کر حل کرنا ہوگا-

میں سمجھتی ہوں سب سے بنیادی مسئلہ ہمارے ملک کا صفائی کا ہے. آپ یقیننا حیران ہونگے کہ میں تمام اہم مسائل کو پس پشت ڈالکر پہلے اسی کی نشاندہی

کیوں کی. تو عزیزم صفائی نہ صرف یہ کہ ہمارے دینی ذمہ داری بلکہ ہمارے ایمان کا نصف جز بھی ہے. اب چاہے یہ گلی کوچوں یا چوباروں کی ہو یا محکماتی بنیادوں پر اور اداروں میں پھیلی ہوئی کرپشن اور بدعنوانیوں کی ہو. یا سیاسی بنیادوں پر اپنی دوکان چمکانے والے اور ملک کو لوٹنے والے عناصر کی ہو صفائی تو سب کی اور ہر جگہ سے ہونی چاہیئے تبھی ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل ممکن ہوسکے گی اور جسمانی اخلاقی اور ذہنی بیماریوں کا قلع قمع ہوسکے گا. اسکے لیئے شہری اور علاقائی بنیادوں پر بلدیاتی سسٹم نافذ کیا جائے. ہر علاقے سے وہیں سے منتخب کردہ اشخاص کو سامنے لایا جائے جو صحت عامہ سے لے کر تعلیم تک اور تمام جملہ مسائل کو علاقائی بنیادوں پر حل کریں. اور بروقت شکایات دور بھی کی جائیں. تو یہ زیادہ بہتر ہوگا. آپ اپنے حلقے سے ہوں تو وہاں کے جملہ مسائل سے آگاہ بھی ہوں گے اور انکا بہتر سدباب بھی کرپائیں گے اب چاہے وہ صفائی کا مسئلہ ہو یا تعلیم کا یا منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے خلاف بروقت کاروائی کرنے کا کیونکہ ایسے عناصر ہی کی بدولت مہنگائی کا جن بھی اپنا سر اٹھاتا ہے. اور غریب عوام تنگ ہوتی ہے معاشرے میں کرائم بڑھتے ہیں. چوری ڈکیتیوں کی وارداتوں میں بھی تیزی آنے لگتی ہے.

ضروری ہے کہ اسلامی مالیاتی سسٹم کو رائج کیاجائے صرف دستاویزات میں نہیں اور خاص طور پر زکوۃ کے نظام کو بہتر بنایا جائے اور اسکی منصفانہ تقسیم

اور جائز ضرورت مندوں تک رسائی ممکن بنائی جاسکے تو میں سمجھتی ہوں کہ معاشرے سے غربت جیسے عوامل اور گداگری جیسے پیشوں کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اور ایسے پیشوں کی پشت پناہی کرنے والوں کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے.

احتساب کا عمل شفاف اور انصاف کی غیر جانبدارانہ فراہمی یقینی بنائی جائے. اسکے لیئے عدلیہ اور سول انتظامیہ کے شعبوں کو مستحکم کیا جائے. اور بدعنوان لوگوں سے پاک کیا جائے. اور ایسے عناصر کے خلاف سخت کاروائی کی جائے اور قرار واقعی سزا دی جائے جو اس عمل میں روکاٹ بنیں. اب چاہے وہ قانون نافذ کرنے والے ادارے ہی کیوں نہ ہوں.

بنیادی پرائمری تعلیم کمپلسری اور فری کی جائے تاکہ جو بچے کسی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کرپارہے وہ بھی علم حاصل کرسکیں. کتابوں اور کاپیوں اور دوسری ضروری اسٹیشنری مفت یا کم ریٹس پر مہیا کی جائیں. مردم شماری کے فارم میں بھی یہ چیز شامل کی جائے تاکہ سروے کے وقت گھر گھر سے یہ معلومات حاصل ہوسکے کہ کتنے افراد باقاعدہ طور پر تعلیم یافتہ ہیں یا تعلیم حاصل کررہے ہیں. اور جو والدین اس طرف دلچسپی نہیں لیتے انھیں آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلوائیں. اس کے لیئے ہم الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا سے آویئرنس دے سکتے ہیں. خصوصا تعلیم کو غیر منافع بخش قرار دے کر بچوں کو

بیگار کے کاموں میں ڈالنے والے والدین کے خلاف سخت نوٹس لیا جائے. کیونکہ اس سے چائلڈ لیبر وجود میں آتی ہے جو ہمارے ملک کا اس وقت سب سے اہم مسلہ ہے اور جس میں افسوسناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے. یاد رہے تعلیم ہوگی تبھی ایک صحت مند سوچ معاشرے میں پروان چڑھے گی تبھی ہر شہری اپنے ووٹ کا صحیح اور درست جگہ استعمال کرے گا اور تبھی ایک درد مند ملک دوست سچی قیادت ملک کو میسر آسکے گی.

جاگیر دارانہ اور زمیندارانہ سسٹم کی حوصلہ شکنی ہوگی. اور کرپٹ عناصر کا ملک سے صفایا ہو جائے گا. ضرورت ہے جو اسکول بدحالی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہین ان پر توجہ دے کر انھیں پھر سے ایک تربیت یافتہ عملے کے ساتھ آباد کیا جائے اور مزید نئے اسکول تعمیر کیئے جائیں. اقربا پروری رشوت خوری چور بازاری ختم کی جائے. مہنگائی پر کنٹرول کرنے کے لیئے پرائس کنٹرولنگ اتھارٹی کو مضبوط کیا جائے اور صفائی اور صحت کے اصولوں پر پورا نہ اترنے والی شاپس کے خلاف سخت کاروائی کی جائے. بھاری جرمانہ اور سزا بھی عائد کی جائے.

تعلیمی شعبوں میں نیا نصاب اور جدید سائنسی ٹیکنالوجی متعارف کرائی جائے. ایسی اصلاحات اور اسکیمیں متعارف کرائیں جائیں جس سے عام آدمی بھی فوائد حاصل کرسکے

.

زراعت میں بھی دیہی بنیادوں پر کسانوں کی تربیت بہت ضروری ہے تاکہ پیداوار صحت عامہ کے مروجہ عالمی معیار پر پورا اترے. اسکے علاوہ پانی کی منصفانہ اور ہر جگہ رسائی ممکن بنائی جائے آسان شرائط پر قرضے مہیا کیئے جائیں. زرعی آلات بیج کھاد مناسب اور کم قیمتوں پر فراہم کیئے جائیں اور ٹیوب ویل لگائے جائیں جدید ٹیکنالوجی متعارف کرائی جائے-

اس وقت ہمارے ملک کو زرمبادلہ کی مد میں ایک خطیر رقم موصول ہو رہی ہے جو ملک کی فلاح و بہبود میں اس طرح صرف نہیں ہو رہی جسطرح ہونی چاہیئے. پیسہ چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتا جارہا ہے خدام اپنی جیبیں بھر رہے ہیں. انڈسٹریاں باہر جارہیں ہیں. ہمارے ملک کے ہونہار اور قابل نوجوان باہر ملکوں میں روزگار کے مواقع ڈھونڈ رہے ہیں جسکے نتیجے میں وہ بعض اوقات نا مساعد حالات کا بھی شکار ہوجاتے ہیں. سیاستدان یہ پیسہ بٹور کر بیرون ملک اپنی بے جا اخراجات اور عیاشیوں کی بھینٹ چڑھادیتے ہیں. انکے خلاف سخت کاروائی اور بازپرس ہونی چاہیئے اور جب تک بدعنوان لوگ اس سسٹم کا حصہ بنے رہیں گے یہ ممکن نہیں ووٹ کا صحیح استعمال کریں. اچھے اور پڑھے لکھے لوگوں کو آگے لائیں. اپنے ملک کے اندر انویسمنٹ کرنے والے صنعتکاروں اور انڈسٹری سے متعلق عناصر کی حوصلہ افزائی کریں اور ٹیکس میں نرمی کے ساتھ دیگر مراعات سے نوازیں تاکہ ملکی سرمایہ کاری میں اضافہ ہو عام آدمی کے لیئے نئے اور مزید روزگار کے مواقع

میسر ہوں. گھریلو انڈسٹریوں کو آسان شرائط پر قرضے اور آلات مہیا کیئے جائیں. اس سے انھیں فروغ ملے گا. ملکی معدنی وسائل کو بروئے کار لایا جائے. اور ان سے ہر ممکن استفادہ کیاجائے اس سے ہمارے بجلی کی فراہمی کا بھی سب سے بڑا مسئلہ حل ہوجائے گا اور لوڈ شیڈنگ جیسے مسائل کا خاتمہ. صنعتیں شہروں سے باہر منتقل کی جائیں تاکہ صنعتی فضلہ شہری آلودگی کا سبب نہ بنے. غیر قانونی تجاوزات اور کنکشنز کی بھی روک تھام کی جائے. اور تمام ایسے عوامل کا سدباب کیا جائے جو ماحولیاتی آلودگی کا سبب بن رہے ہیں سیاحتی مقامات اور آثار قدیمہ سے متعلق عمارات پر خصوصی توجہ دی جائے کیونکہ بھارت جیسا ملک بھی اس مد میں خاطر خواہ فوائد حاصل کررہا ہے. اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور انکے ساتھ کھڑے ہوں. اسمگلنگ، نشہ آور چیزوں کی خرید وفروخت کرنے والوں، غیر قانونی طور پر ملکی سرحدوں میں بھیس بدل کر داخل ہونے والے ایجنٹوں اور دہشت گردی کے خلاف سب متحد ہوجائیں اور اپنی نئی نسل کی حفاظت اور آبیاری کریں. اسی نئی تشکیل نو سے ایک دن ہمارا اسلامی مملکت کا خواب حقیقت کا روپ دھار لے گا. بس سے اترنے کے بعد گو کہ ماحول میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں آئی تھی مگر میری سوچ تبدیل ہوچکی تھی اس بار میں اپنا سر پورے فخر اور یقین اور ایک نئے عزم سے اٹھا کر چل رہی تھی. کیونکہ میں اپنے آنے والے کل اور اپنی نئی نسل سے ناامید نہیں تھی موضوع شاید طوالت کا متقاضی تھا۔

ذہن و دل سے جو نکلی تو زباں تک پہنچی
بات سے بات جو نکلی تو کہاں تک پہنچی

بہت کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ بھی گیا خیر میں اپنی بات کا اختتام ان اشعار پر کرتی ہوں

اک جا نہیں ٹھہرنے دے اپنی نگاہ شوق
ہر دم تلاش کر تو نئے آسمان کی
خوابوں کی سرزمیں کو حقیقت کا روپ دے
بنیاد پھر سے رکھ تو نئے اک جہان کی

دعاگو
حیاء غزل

دہشت گرد

اسکے جسم پر لباس کے نام پر چند چیتھڑے جھول رہے تھے. جسم سے رستے خون نے اسکے بھاگتے قدموں میں لرزاہٹ پیدا کردی تھی. تبھی اسے محسوس ہوا کہ فرار کی ساری راہیں مسدود ہوچکیں ہیں. اس نے ایک گہری سانس لے کے التجائیہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا اور آنے والی افتاد کے لیئے خود کو تیار کرکے فرش پر اپنے گھٹنے ٹیک دیئے تبھی چاروں طرف سے کئی اسلحہ بردار افراد نمودار ہوگئے. اور اس وقت تک گولیاں برساتے رہے جب تک وہ ایک لاش میں نہیں تبدیل ہو گئی ایک بہت بڑا جرم سرزد ہوا تھا اس نے اپنے لباس میں ایک چھوٹا سا چاقو چھپایا ہوا تھا سیلف ڈیفینس کے لیئے۔

ZIONISM -زیونزم

وہ انتہائی برق رفتاری اور سرعت سے اپنا تیز دھار چھرا استعمال کر رہا تھا فرش پر بنا سر تڑپتے معصوم اجساد کے ڈھیر لگ چکے تھے تبھی مالک کے اشارے پر اس نے اپنا ہاتھ روک کے پنجرہ بند کر دیا. کوریڈور میں بھاری بوٹوں کی آواز دروازے کی چرچراہٹ کے ساتھ تھمی. آنے والے نے خباثت بھری مسکراہٹ کے ساتھ ایک زوردار سلوٹ مارا. سر! ہم نے آج کا ہدف پورا کر لیا. نالی سے بہنے والے خون نے ایک تالاب کی شکل اختیار کر لی تھی.

پھر؟

عورتوں کے حقوق کا عالمی دن، اسپیشل سیٹ اپ

میک اپ ٹھیک کرواتی ماڈرن لہنگر

ایک این جی او کا سرپرست

کچھ مجبور عورتیں

کیمرہ ..... فلیش ..... مائیک کا رخ

سفید پوش شخص ..... این جی او چلانے کا خیال .... کیسے؟

شفیق مسکراہٹ ..... خدمت خلق

مائیک دوسری طرف گھوما

این جی او تک کیسے پہنچی؟

. غربت ..... بیچ دی گئی

کیسے؟

..... شرابی بوڑھے کو

پھر؟

..... نظریں فرش پر ..... روز ایک بوتل کے عیوض

..... اوہ! تاسف بھری نظر

... کٹ ..... گلیسرین لگائیں .... شوٹ ہارم فل دکھنا چاہیے

.... فلیش

....پھر؟

ہم نے پناہ دی..... سفید پوش نے ان دیکھی گرد کالر پہ سے جھاڑی

! اوہ

قدر و قیمت بڑھی؟

ہاں ! ٹھہری آنکھیں

سپاٹ لہجہ

کتنی؟

....."..ایک بوری آٹا

بھارتی اشتعال انگیزی اور پاکستانی ڈپلومیسی

بھارت کی جانب سرجیکل اسٹرائیک کے جھوٹے دعوے سے لے کر لائن آف کنٹرول اور مختلف پاکستانی فوجی حدود میں ہونے والی جارحانہ فوجی جھڑپوں میں مسلسل اضافہ ہی ہورہا ہے. دوسری جانب ملک کے اندرونی حالات بھی جان بوجھ کر خراب کیئے جارہے ہیں. آئے دن ایسے دلخراش واقعات رونما ہوتے ہیں جن میں ناقابل تلافی جانی و مالی نقصان بڑے پیمانے پر سامنے آتا ہے. اور یہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک ایسے وقت پر کیا جارہا ہے جب پاکستانی اکانومی کو مضبوط کرنے کے لیئے سی پیک جیسے معاہدے پر کام ہورہا ہے. بھارتی قیادت یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ پاکستانی معیشت کا ڈھانچہ مضبوط ہو. اور پاکستان کی صنعتیں Develop ہوں.

بھارتی فوجی قیادت اور حکومتی ارکان جان بوجھ کر ایسے اقدامات اور سیاسی بنیادوں پر بیان بازی میں مصروف ہیں. تاکہ پاکستان مشتعل ہو کر جوابی اقدامات یا ایسی جارحانہ کاروائی کرنے پر مجبور ہوجائے جس سے پاک بھارت جنگ کے امکانات میں اضافہ ہو اور وہ انٹرنیشنل لیول پر خارجی سطح پر یہ تاثر دیا جاسکے کہ پاکستان کی طرف سے در اندازی یا دخل اندازی کی جارہی ہے. اور پاکستان کی کاروائی کو جارحانہ تاثر دے کر اسے بین الاقوامی برادری میں

تنہا کیا جاسکے اور اسکے ساتھ کیئے جانے والے دوسرے ممالک کے ترقیاتی منصوبے فی الفور روک دیئے جائیں.. وہ سمجھتے ہیں ان حالات میں وہ جو بات کریں گے اس پر اعتبار کیا جائے گا. لہٰذا پے در پے مختلف محاذوں پر انکی فوجی اور سیاسی محاذ آرائی مسلسل جاری ہے اور باڈر پر حالات کشیدہ ہوتے جارہے ہیں. خدانخواستہ اگر پاکستانی حکومت کی طرف سے اسکا جارحانہ جواب دے دیا گیا تو دونوں ملکوں کے جانب محاذ آرائی کا خطرہ مزید بڑھ جائے گا. اس وقت ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے جسے ایک مدبرانہ سوچ کے ساتھ مرتب کی جانے والی خارجہ پالیسی کی ضرورت ہے.

دنیا بھر میں بین الاقوامی تعلقات کس مد میں قائم کیئے جاتے ہیں آیا انکی بنیاد اصولوں یا اخلاقیات پر ہوتی ہے یا کوئی اور وجوہات ہیں؟ تو یہ بات تو اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں یہ رشتے قائم ہی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں. جس ملک کو جیسی ضرورت ہوتی ہے وہ اسکے مطابق اپنی خارجہ پالیسی مرتب کرتا ہے تو ایسے وقت جب بھارت کی اکانومی ترقی کر رہی ہے اور اسکا اقتصادی ڈھانچہ پاکستان کے مقابلے میں کافی مضبوط ہے تو اگر ایسے وقت اسکی جانب سے اگر کئی جگہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی جارہی ہے تو کونسا ملک ہے جو اپنے ذاتی یا اقتصادی مفادات کو پس پشت ڈال کر بھارت کے اندر کی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر آواز بلند کرے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں اگر انھوں نے ایسا کیا یا انھوں نے پاکستانی محاذ آرائی کے بھارتی دعوؤں کو نظر انداز کیا تو شاید

ہو جائے اور انکے مقاصد کی برآوری کے لیئے معاون stick بھارت انکے ساتھ کافی ثابت نہ ہوگا. اس وقت خطے میں اپنا کنٹرول حاصل کرنے کی سرد جنگ جاری ہے حکومت پاکستان کو اس صورتحال سے سبق لینا چاہیئے. انکو مدبرانہ سوچ کے ساتھ ایسی پالیسیاں وضع کرنی چاہیئیں جن کی مدد سے وہ موجودہ صورتحال سے نمٹ سکیں. اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا دفاعی مورچہ نہایت مضبوط ہے ہماری فوج اس پوزیشن مین ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکتی ہے بلکہ کر رہی ہے ہر دفعہ اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر محاذ پر فوج نے بھارت کو منہ توڑ جواب دیا بلکہ انکے فوجیوں پر اپنی دھاک جمادی. ہماری عوام کے پاس اور فوج کے پاس جذبوں کی کمی نہیں. لیکن جنگ صرف جذبوں سے یا ہتھیار سے ہی نہیں لڑی جاتی اسے لڑنے کے لیئے وزارت خارجہ کا بھی مضبوط ہونا بہت ضروری ہے جتنا دوسرے عوامل کا تاکہ ہم اپنا موقف ٹھوس بنیادوں پر عالمی برادری کے سامنے رکھ سکیں بدقسمتی سے پاکستان کا یہ شعبہ اس وقت تنزلی کی طرف جا رہا ہے اسے کوئی نوجوان قیادت میسر نہیں جو دینا بھر میں مختلف دورے کرکے اپنے موقف کی وضاحت کرسکے اور بھارتی سازشوں کا پردہ چاک کرسکے کشمیر جیسے اہم مدعے پر پاکستانی موقف کا دفاع کرسکے. کشمیر میں اس وقت جو بھی ہو رہا ہے اسکی وضاحت کے ساتھ تصویر کشی کرسکے لیکن آج کل یہ زمہ داری خود ہمارے وزیر اعظم نے سنبھالی ہوئی ہے چند تقاریر ہونے والے نقصان کی بھرپائی تو ہرگز نہیں کر سکتیں ہماری سیاسی قیادت اس نازک موقع پر کوئی خاص

دلچسپی کا مظاہرہ ہی نہیں کر رہی انکے نزدیک اس وقت سب سے اہم ایشو انکے ذاتی معاملات پر اثر انداز ہونے والا پانامہ لیکس ہے انکی ترجیحات اس وقت انکی خاندانی ساکھ کا دفاع ہے. اور دوسری بڑی غلطی اس وقت حکومت کی سب سے زیادہ توجہ کی متقاضی ہے وہ یہ ہے تمام ملکی اہم امور اور اقتصادی معاملات میں پارلیمانی کابینہ کو اعتماد میں نہ لینا اور ملکی فیصلوں میں ساتھ لے کر نہ چلنا جسکی طرف خود سپریم کورٹ نے بھی توجہ دلائی. اس وقت سیاسی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے اپوزیشن کے نزدیک اپنی ترجیحات اہم ہیں. ضرورت اس بات کی ہے ایک پلیٹ فارم پر سب کو یکجا کر کے دوسرے تمام معاملات کو پس پشت ڈال کر ان حالات کا بہترین خارجہ پالیسی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے. اور ایک جارحانہ ڈپلومیسی مرتب کی جائے تاکہ اقوام عالم کو بتایا جاسکے کہ پاکستان کسی لحاظ سے بھی اتنا کمزور نہیں ہوا کہ دوسری قومیں اسے ترنوالہ سمجھ کے نگل لیں. دونوں ملکوں کی عوام کسی طور سے جنگ کے حق میں نہیں وہ امن و سکون اور آشتی کی زندگی بسر کرنا چاہتیں ہیں. ان حالات میں جبکہ حکومتی ارکان اپنے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں عوام کی تمام تر امیدوں کا مرکز صرف فوج ہے انکی نگاہیں اس وقت باڈر پر دفاع کرتے فوجی جوانوں پر لگیں ہیں. جمہوریت خال خال ہی دکھ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ لفظ بھی کسی کی سماعت میں تازہ نہ رہے. اور ایک بار پھر عوام فوج کو سیاسی بنیادوں پر خوشدلی سے قبول کرلے.

جدید اردو شاعری کا تشکیلی دور اور اسکے مدارج

جدید اردو شاعری اور اسکی تشکیل کو لے کر متنازعہ رائے پائی جاتی ہے کم سے کم میرا تجزیہ و تجربہ تو یہی کہتا ہے .اسلیئے اس موضوع پر لکھنے کی ایک ادنی سی جرات کر رہی ہوں .امید ہے آپ اس بارے میں اپنی مفید آراء و قیمتی مشوروں سے ضرور مجھے مستفید کریں گے .

تو بات ہو رہی تھی جدید دور کی وہ بھی شاعری کے حوالے سے تو اگر بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو نشاۃ ثانیہ کا دور دور جدید کہلاتا ہے .اس دور کا آغاز احیائے علوم کی صدی یعنی سولہویں صدی سے ہی ہوگیا تھا .وہ دور جو نئی دنیائیں اور جدید خیالات و افکار دریافت کرنے کا دور تھا .وہ دور جو اکبر اعظم کا دور تھا .1857 میں ہندوستان میں اس تصور نے جنم لیا. جب ہندوستان میں ایک نئے سماجی ذہنی اور علمی و سیاسی انقلاب کا آغاز ہوا مغلیہ دور ختم ہونے اور ایک غیر قوم کے محکوم ہونے کے احساس نے پورے ملک میں مایوسی بددلی اور احساس محرومی کی ایک فضا پیدا کر دی .اس دوران مرد بحران کی صورت میں سر سید احمد خان مسلمانوں میں آگے بڑھنے کی تحریک کے پہلے علمبردار بن کر ہندوستان کے افق پر نمودار ہوئے . .بر صغیر کے مسلمانوں میں مادی وسائل سے اس نئی صورتحال سے نبرد آزما ہونے کی سکت نہیں تھی .اپنے

علوم چھپانے کا رویہ عام تھا. ذاتی ترقی اور مفاد پرستی اور تنگ نظری انھیں یہ اجازت دینے سے قاصر تھی کہ وہ اپنے فکر وخیال سے مخالف قوم سے مقابلہ کریں.

سرسید نے مسلمانوں کی معاشرتی سیاسی اور اقتصادی فلاح وبہبود کے لیئے جدید علوم سے واقفیت اور انگریزی زبان سیکھنے کی تحریک چلائی. انھوں نے اردو نثر کے مختلتف نئے اسالیب متعارف کرائے اور اس میں وسعت اور ہر علم اور فن سے متعلق مضامین کی ادائیگی کا آغاز کیا. جدید علم اور نئی زبانیں سیکھنے کی اہمیت پر زور دیا وہ اچھی طرح واقف تھے کہ دھوکے سے محکوم بنائے جانے پر نفرت کے اظہار کے طور پر مسلمان تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کرکے اپنا ہی نقصان کررہے ہین اس بات کو انگریز اپنے مفاد میں استعمال کرین گے ہوسکتا ہے آگے یہ بندش مستقل کردی جائے اور مسلمان جو ہمیشہ سے علمی تاریخ کا ایک درخشاں باب رہے پیچھے دھکیل دیئے جائیں. گو کہ انکی تحریک کو اپنی ہی قوم کے تنگ نظروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا پر اسکے باوجود انھوں نے وہ خدمات انجام دیں. جو نا قابل فراموش ہیں ادب کے حوالے سے بھی انکی خدمات دنیائے ادب میں ہمیشہ سراہی جاتی رہیں گیں.

آپکی تحریک کے زیر اثر ادب کی دونوں اصناف پر نثر اور نظم پر خاص توجہ دی

گئ. اس سے پہلے کا دور غزل کا تھا. نظم گوئ منہ کا ذائقہ بدلنے تک محدود تھی. انگریزی تعلیم کے فروغ کے بعد کچھ لوگ براہ راست کچھ بالواسطہ انگریزی شاعری کی طرف رجوع ہوئے اور اس نئے طرز کی شاعری کے اثرات قبول کرنے لگے. اور نظم اور نثر فروغ پانے لگیں. جو تبدیلی یہاں رونما ہو رہی تھی مغرب بھی اسی کے سحر میں گرفتار تھا.

سرسید کی انقلابی تحریک کے زیر اثر سماجی شعور کی شاعری کا آغاز ہوا وہ اپنے ابتدائی رومانیہ تصور سے آزاد کئ نئے موضوعات کو اپنی گرفت مین لانے لگی. علامہ شبلی نعمانی، حالی اور آزاد جیسے شعراء نے اسے آگے بڑھانے کا بیڑہ اٹھایا. شبلی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا عہد زریں واپس لوٹ آئے دوسری طرف حالی بھی اپنی مسدس کے حوالے برصغیر کے مسلمانوں کو جگانا چاہتے تھے تاکہ مسلمان اپنی پر شکوہ اور پر عظمت روایت کو زندی کریں. انھوں نے قدیم شاعرانہ تصورات میں وسعت پیدا کی اور مثنوی جیسی قدیم صنف مین نئ روح پھونک دی. سادہ زبان اور تشبیہات و استعارات سے پاک مسدس ذہن و دل کو متاثر ہی نہیں کرتی بلکہ وہ اس وقت کی ضرورت تھی. تاکہ عام قاری بھی خیال و فکر کی گہرائ ناپ سکے. خود حالی اس بارے میں اسطرح لکھتے ہیں.

اے شعر دلفریب نہ ہو تو، تو غم نہیں
پر تجھ پر حیف ہے جو نہ ہو تو دلگداز

غور سے دیکھیئے تو قدیم اور جدید کا فرق بھی واضح ہو جائے گا قدیم شاعری دلفریب یعنی کہ لفظی کاریگری اور دلکشی سے عبارت اور دقیق تھی. جبکہ جدید شاعری آسان فہم اور دلگداز تھی.

میں انجمن پنجاب لاہور نے اس ضمن میں ایک نئی تحریک اٹھائی جسکے سرپرست 1874 کرنل ہالرائڈ تھے. اس کے منعقد کردی جلسے میں پہلی بار آزاد نے اردو شاعری کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا

"میرے ہم وطنو! مجھے بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ عبارت کا زور، مضمون کا جوش و خروش اور لطائف و ضائع کے سامان تمہارے بزرگوں نے اسقدر دیئے ہیں. کہ تمہاری زبان کسی سے کم نہیں فقط اتنی بات ہے کہ وہ چند بے موقع احاطوں میں گھر کر محبوس ہو گئے ہیں."

آزاد نے انگریزی شاعری سے متاثر ہو کر اردو شاعری کا کڑا محاسبہ کیا. اور کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں ایک نئی بنیاد رکھی اس مجلس میں ایک نئی طرز کی شاعری کی بنیاد رکھی گئی پہلی بار مصرع طرح کے بجائے نظم کا عنوان دے کر نئے طرز کے مشاعروں کی ابتداء کی گئی. مقصد نظم کو مربوط کرنا اور ایک اخلاق آمیز رومانوی اور فطرت پسند شاعری کو فروغ دینا تھا گو کہ اس پہلے مناظر فطرت

انیس و دبیر کے مرثیوں میں بھی نظر آتے ہیں مثنویات میں جذبات نگاری بھی خوب ملتی ہے جبکہ موضوعاتی نظموں کے حوالے سے نظیر اکبر آبادی کی مشہور زمانہ نظمیں آدمی نامہ، ہنس نامہ، بنجارہ نامہ بھی موجود تھیں. پر شعوری طور پر انھیں انجمن پنجاب کے منعقد کردہ مشاعروں میں آگے بڑھایا گیا. پہلے مشاعرے کا نام تھا برکھارت حالی نے اس موقع پر موضوع کے حوالے سے اپنی شہرہء آفاق نظم پڑھی. جسکا ایک شعر پیش خدمت ہے

قدرت کے عجائبات کی کان

عارف کے لیئے کتاب عرفان

اس طویل نظم میں حالی نے زبان کی سادگی کے ساتھ پاکیزہ جذبات اور واقعہ نگاری کے ساتھ برسات کے تمام پہلوؤن کا تفصیلی احاطہ کیا جیسے نثری خیالات بیان کیئے گئے ہوں. انھوں نے اس تصور کی مخالفت کی کہ فطرت کے مناظر مخصوص لوگوں کے لیئے ہیں. شاعری کے حوالے سے فطرتسے اکتساب کا عمل ناصحانہ نہیین ہونا چاہیئے تزکیہء نفس اور اخلاقیات کا اصول نصیحت آموز نہ ہو بلکہ درد کے ساتھ جمالیات کا عنصر بھی نمایاں ہو اسی طرح ایک نظم حب الوطنی بھی پیش کی جبکہ آزاد نے اپنی مثنوی حب وطن پیش کی. حالی اور آزاد عربی، فارسی، منطق، جغرافیہ اور تاریخ سے واقف تھے اسلیئے انکو نئے خیالات کو نئے پیرائے میں ڈھالنے مین دشواری پیش نہیں آئی. جدید استعارات و تشبیہات سے شاعری کو

سجایا گیا حالی کی شاعری کا حجم زیادہ قوی تھا انکے یہاں مقصدیت زیادہ نمایاں ہے جبکہ آزاد کا طرہ نثر ہے انکی شاعری میں تمثیل کا رنگ نمایاں ہے جیسے

حب وطن اسے نہیں کہتے کہ باغ سے
نکلے جو گل تو خار ہو فرقت کے داغ سے
حب وطن نہ یہ ہے کہ پانی میں گر نہ ہو
ماہی کی زندگی کسی صورت بسر نہ ہو
حب وطن اسے بھی نہیں کہتے اہل ہوش
یاد وطن میں کچھ دے گئے جوش کہ خروش

حالی کی نظم کا آغاز

!اے سپہر بریں کے سیارو
اے فضائے زمیں کے گلزارو
اے پہاڑوں کی دلفریب فضا

اے لب جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

غرض یہ ایک طویل فہرست ہے. اسکے نتیجے میں اردو شاعری میں کئی شہرہء آفاق نظموں کا قیمتی اضافہ ہوا. لیکن اسکے نتیجے میں زندگی کو نئے زاویے سے دیکھنے کا رجحان فروغ پانے لگا اور دو نئی تحریکوں کا آغاز ہوا

ادب برائے ادب

ادب برائے زندگی

زندگی ایک نئے رخ پر دیکھی جانے لگی. قدیم رجحانات ترک کرکے نئے موضوعات اور تجریدی چیزوں کو موضوع سخن بنایا جانے لگا. زندگی کے نئے راستے پر چلنے کے لیئے جسکے خواب اور اندیشے سرسید کی تحریک نے پروان چڑھائے تھے. نئے خیالات و افکار کی ضرورت تھی. بہت سے قابل قدر نام سامنے آئے جن میں ایک نام شاعر ملت جناب علامہ اقبال رح کا بھی تھا. انھوں نے جدید شاعری میں بہت اعلی سطح کا معیار قائم کیا. وہ پورے عہد کا نمائندہ بن کر سامنے آئے.

جدید شاعری کے آغاز میں ہمیں حالی، آزاد، شبلی، اسمٰعیل میرٹھی جیسے شعراء نظر آتے ہیں. جنھوں نے بدلتے وقت کے تقاضوں کو ہمیشہ مد نظر رکھا. مغربی علوم سے بھی استفادہ کیا. شاعری میں اردو لٹریچر کے اندر انگریزی زبان کے مختلف

الفاظ جیسے ٹکٹ، اسٹامپ، کلکٹر، وارنٹ، بل، ممبر، پینشن، اپیل، قسمت جیسے الفاظ تیزی سے جگہ بنانے لگے لوگ جدید شاعری اور اسکی اہمیت سے واقف ہونے لگے. مشکل ردیف قافیے ترک کیئے گئے جدید علوم اور سائنسی موضوعات کو بھی اسکا حصہ بنایا گیا یہ وہ تشکیلی دور تھا جب ادب کا رشتہ شعوری طور پر اپنے زمانے کی سیاست اور سماج سے جوڑ کر اجتماعی زندگی کے مسائل کا عقلی حل ڈھونڈنے کی راہ ہموار کی گئی

اگر یہ عہد نہ ہوتا تو اردو شاعری کو اقبال جیسا شاعر بھی نہیں ملتا اقبال ایک ایسے دور کی آواز بن کر سامنے آئے جنکی سب سے بڑی خوبی دفعت خیال اور فلسفیانہ بلند آہنگی اور تصوف تھا. انکی ابتدائی شاعری مین انکے استاد اور انوکھے غزل گو مشہور شاعر داغ کے اثرات ملتے ہیں. لیکن خیالات و افکار اور انداز فکر بڑی حد تک اقبال کا ذاتی ہے. یورپ کے قیام کے دوران یہ رنگ جلد اتر گیا یہاں کے علمی خزانوں سے آپ نے بڑی حد تک اکتساب کیا مولانا رومی کے اثرات بھی رونما ہوئے پھر سر آرنلڈ کی شخصیت نے بھی اقبال کی سوچ پر گہرا اثر ڈالا. وطن واپس آکر آپکے سامنے حالی، شبلی جیسے دیگر شعراء کے شعری نمونے سامنے تھے. سو آپ نے اپنی قومی شاعری کی ابتداء "نالہء یتیم" سے کی. جسکا ایک شعر ہے

ہائے کیا فرط طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
لیل بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

اس نظم مین موجود تشبیہات نئی اور مغربی شاعری سے قریب تر تھیں .آپکی شاعری میں وطنیت اور قومیت کا احساس پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہونے لگا.پوری گہرائی کے ساتھ

عروج قومی،زوال قوی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ ردوبدل کے اندر یہ امر پولی ٹیکل رہا ہے

آپکو تبدیلی کب اور کہاں سے شروع ہوئی بخوبی واقفیت ہوگئی ہوگی یقیننا یہاں سے انھوں نے وطنیت کے تصور کو مزید وسعت دیتے ہوئے اسلامی اصول،اخوت اور مساوات کو بھی فروغ دیا

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرز کلام اور ہے

جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
اسکا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے

اقبال نے پہلی بار وطنیت کے تصور کو سیاست سے علیحدہ کرکے مذہبی تمدن سے منسلک کردیا انکی معرکتہ الاراء نظموں میں شکوہ جواب شکوہ،خضر راہ، طلوع اسلام، وطنیت،خطاب بہ جوانان اسلام، مسلم شامل ہیں شاید یہ فہرست طویل ہوجائے. کیونکہ اقبال نے قوم کو شاعری کے زریعے جسطرح جگانے کی کوشش کی وہ سرسید اور ساتھیوں کی شروع کی گئی تحریک کی انتہائ اور تکمیلی شکل تھی. جدید شاعری اب ایک ایسے رتبے تک پہنچ چکی تھی جہاں شاعری اور پیغمبری کی سرحدیں ملتیں ہیں. وہ شاعری جو مخصوص خیال بندی و عکاسی تک محدود تھی. اور آزاد حالی اسعیل میرٹھی اکبرالہ آبادی جیسے شعراء سے ہوتی ہوئ اقبال تک پہنچی تھی اقبال کے فلسفیانہ اور تصوف کے خیالات کی آمیزش سے ایک نئے قالب میں ڈھل چکی تھی. اقبال نے ادب.برائے زندگی کے مفسر کی حیثیت سے کائنات کے راز، حیات کے بنیادی حقائق اور مابعد طبیعاتی مسائل اور اخلاقی مقاصد کو اعلی شاعری مین پیش کیا میر غالب کے بعد اقبال وہ واحد شاعر تھے جنھوں نے اردو زبان و ادب پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیئے. انھوں نے نئے سانچے پیدا کیئے ئی ادب

تراکیب وضع کیں. نفیس تشبیہات و استعارات کے ساتھ ساتھ جدید اردو شاعری کو نئے آسان منفرد اسالیب سے روشناس کرایااور ایک نئے عہد کا آغاز کیا انکی شاعری مین جو مقصدیت نمایاں تھی. اسکو اجاگر کرنے کے لیئے انھوں نے پرانے مروجہ قواعد کی بھی پروانہیں کی انکا کہنا تھا قاری تک اصل مقصد پہنچنا ضروری ہے زبان کے مسائل اہل زبان جانیں.

اپنی شاعری سے وہ قوم میں آزادی کی وہ شمع جلانے میں کامیاب ہوگئے جس نے آخر کار انگریز اقتدار کے ایوانوں کو جلا کر خاک کردیا. اور یہ واضح کردیا

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

جدید اردو شاعری اپنی پیش قدمی کی روایات کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہےاور تمام تر مخالفت کے باوجود آج بھی کئی قابل قدر نام اسکے ساتھ وابستہ ہیں.

شکریہ

حیاء غزل